الوقف لایمالک

لاہور بھاٹی دروازہ محلہ حکیماں کوچہ کاغذیاں

پوسٹ ہیڈ جنرل پوسٹ افس مسلم حنیف

شاکر حسین

حسب ضابطہ رجسٹری شدہ

بی۔ اے کورس عربی کا

اردو ترجمہ

حصہ اول

جس کو

مولوی کریم بخش صاحب ایم۔ اے۔ او۔ ایل۔ ایل

سینیر انگلش ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول

ملتان نے ترجمہ کیا

قاضی نورالدین بک سیلرز اینڈ اور سٹیشنرز۔ مظفر گڑھ نے

باہتمام شیخ گلزار محمد پرنٹر و پراپرائٹر

گلزار محمدی سٹیم پریس لاہور میں چھپوایا

ایک ہزار

مُبسملاً و محمدلاً و مُصلیاً

انتخاب از مقدمہ ابن خلدونؒ

نوٹ - ان کا اصلی نام قاضی عبد الرحمن بن محمد بن خلدون تھا۔ ۱۳۳۲ء میں بمقام ٹیونس پیدا ہوئے - قریباً ساری زندگی ملک افریقہ کے اندر گشت کرتے رہے - زیادہ تر اشبیلیہ کے اندر رہائش پذیر ہو رہے۔ ۱۳۶۲ء میں غرناطہ کے بادشاہ ابن الاحمر کی ملازمت اختیار کی - لیکن کسی وجہ سے آخر سپین چھوڑنا پڑا - آخرکار ۱۴۰۶ء میں قاہرہ کے قاضی جا بنے - لیکن یہاں بھی مصیبت پیش آئی - انکی زندگی بادشاہوں اور مدبرین کے ساتھ گزری - امیر تیمور کے ہاں بڑی عزت اور تکریم کی حالت میں مہمان رہے - جس قدر بے انتہا تجربات اور انکشافات انکو سفر کی حالت میں ہوئے - وہ تمام انہوں نے اپنی ضخیم تاریخ (کتاب العبر) کے - مقدمہ کے اندر درج کئے ہیں - یہ مقدمہ اصل کتاب کی اوّل جلد ہے

۲ - ابن خلدون نے علم تاریخ پر فلسفیانہ پہلو سے بحث کی ہے - اور عجیب اصول و قوانین باندھے ہیں - جو پہلے مورخین کے اندر مفقود تھے اسی مقدمہ کے اندر جہاں سے یہ صفحات لئے گئے ہیں - انہوں نے تاریخ دنیا کے تمام ضروری لوازمات کو بھر دیا ہے - ۱۴۰۶ء میں قاضی کے عہدہ کی حیثیت میں وفات پائی :-

---

فصل (۳۶)

اس بارے میں کہ اسلام کے اندر حاملانِ علم اکثر عجمی ہیں

یہ بات عجیب واقع ہوئی ہے۔ کہ مذہب اسلام کے اندر علم والے زیادہ تر عجمی (غیر عربی بالخصوص ایرانی) لوگ ہیں۔ سوائے چند قلیل نادر حالتوں میں وہ دونو قسم کے علوم شرعیہ (علم تفسیر۔ علم قرات۔ علم حدیث۔ اصول فقہ۔ فقہ۔ عقائد۔ لغت و نحو۔ بیان و ادب) اور علوم عقلیہ (علم منطق۔ علم طبعی۔ علم الٰہیات۔ ہندسہ و ہیئت وغیرہ) میں عربوں سے فائق ہیں۔ اگر ان لوگوں میں کوئی حسب ونسب کے لحاظ سے عربی ہوگا۔ تو زبان بچپن اور بوڑھاپے کی تربیت گاہوں کے رو سے عجمی ہوگا۔ باوجود اس بات کے کہ مذہب عرب سے نکلا ہے۔ اور صاحب شریعت (پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم) بھی خود عربی ہیں۔ اس (علم میں برتری) کی وجہ یہ ہے۔ کہ ابتدائے مذہب اسلام میں اس کے (عربوں کے) اندر سادگی عیش اور بدوانہ زندگی کے حالات کے مقتضی کے باعث کوئی علم اور ہنر نہ تھا۔ احکام شرعیہ ہی کو جو اللہ کے امر و نہی کو بتلاتے ہیں یہ لوگ اپنے سینوں میں جگہ دیتے تھے اور انکے ماخذ کو جیسے کہ انہوں نے صاحب شریعت اور اس کے اصحابؓ سے سنا تھا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہی سے جانتے تھے۔ اور وہ لوگ جو اس وقت عرب تھے تعلیم۔ تالیف اور تدوین (کتابوں کو ابواب کی صورت میں جمع کرنا) سے ناواقف تھے۔ نہ انہوں نے اپنے تئیں اس بات کی طرف لگایا۔ اور نہ انہیں اس کی حاجت ہوئی:-

یہی حالت صحابہ اور تابعین (جنہوں نے صحابہ کی زیارت کی ہو) کے زمانہ تک رہی (یعنی قریب ۱۰۰ھ تک) اور جو تھوڑے بہت چند مخصوص لوگ اس علم کے رکھنے والے اور نقل کروانے والے تھے۔ وہ قاریوں کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ یعنی وہ لوگ جو کتاب اللہ کو پڑھ سکیں (اور اس کے عامل اور ناقل ہوں) اور ان پڑھ نہ ہوں۔ کیونکہ ان پڑھ ہونے کی صفت تھ

اُن دنوں صحابہؓ کے اندر بھی عام طور پر تھی - گو وہ عرب تھے - سو ان ایام میں حامل قرآن کو قاری کہتے تھے :-

جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے - کہ کتاب اللہ اور سنت کے جس کا نشان اللہ تعالیٰ سے ملا ہے - وہ قاری تھے - کیونکہ انہوں نے احکام شرعیہ کو یا تو اللہ کی کتاب سے پہچانا یا حدیث سے جو اکثر موقعوں میں کتاب اللہ کی تفسیر اور تشریح ہے - جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے - میں تمہارے اندر دو چیزیں یعنی کتاب اللہ اور میری سنت چھوڑتا ہوں - جبتک تم ان کو مضبوط پکڑے رکھو گے - ہرگز گمراہ نہ ہو گے - (یہ حدیث حضورؐ نے مرض موت کے وقت اصحاب کرام کو فرمائی)

جب ہارونؒ رشید کی سلطنت میں اور اس کے بعد بھی نقل و روایت کا سلسلہ دور جا پڑا - تو اس کے مفقود ہونے کے خوف سے قرآن کی تفسیروں کے لکھنے اور حدیث جمع کرنے کی ضرورت ہوئی - پھر نقلوں کی سندوں اور نقل کرنے والوں کی عدالت اور دیانت کی پہچان کی حاجت پڑی - تاکہ سندوں کے اندر صحیح و غیر صحیح کا امتیاز ہو جاوے - بعدہٗ کتاب و سنت سے کثرت کے ساتھ احکام استنباط ہونے لگے - اس زمانہ میں عربی زبان (عجمی زبان کے اختلاط سے) فساد پذیر ہونے لگ گئی تھی - اسلئے علم نحو کے قوانین کے وضع کرنے کی ضرورت پڑی - اور تمام علوم شرعیہ ایسے ملکۂ زبان بن گئے - جس سے اُنکو استخراج کرنا اُنکی نظیر قائم کرنی اور قیاس یہ سب کا کام لینا پڑا - سو دوسرے علوم کی ضرورت پڑی - جو اُن کے واسطے بطور وسائل کے ہوں - اُنکے ذریعہ سے قوانین عربیہ اور اس استنباط اور استخراج کے قوانین کی شناخت ہو - اور دلائل کے زور سے کثرت بدعت اور الحاد (دین کے احکام کو الٹ دینا) سے جو عقائد ایمان میں خرابیاں آگئی تھیں اُن سے رکیں - غرضیکہ یہ تمام علوم صنعتوں کے درجہ تک پہنچ گئے - جن کے لئے تعلیم و تعلم کی ضرورت پڑی - ہم پہلے بیان کر آئے ہیں - کہ صنعتیں شہریوں سے مخصوص ہیں - اور یہ کہ عرب اس (شہری تمدن) سے بہت ہی بعید ہیں - پس اسی وجہ سے یہ علوم بھی تمام شہری بن گئے - اور عرب اس (اس کے وجود) سے اور اسکے چلانے اور

انتظام کرنے سے دور جا پڑے - اس زمانہ میں شہریت اور تمدن والے عجمی لوگ ہیں - یا وہ
جو ان جیسی حقیقت والے ہیں - جیسے موالی (عجمی لوگ جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا
اُنکی عرب والوں سے سخت کشیدگی تھی. اُن پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش میں رہے
انکے اندر علم دین - ادب و فقہ کی سرگرمی رہی) اور وہ لوگ جو شہریت اور اُس کی
صنعتوں اور حرفتوں میں اُن عجمیوں کے تابع ہیں - کیونکہ یہ لوگ اس بات پر زیادہ
قائم رہنے والے ہیں - بدیں وجہ کہ فارسیوں کی - حکومت سے لیکر ان کے اندر بڑا
راسخ تمدن رہا ہے -

علم نحو کے فن والے سیبویہؒ - اس کے بعد فارسیؒ اور دونوں لبکے بعد زجاجؒ تھے
اور یہ سارے عجمی النسب تھے - چونکہ عربی زبان کے اندر پرورش پائی تھی - اس لئے اپنی
تربیت گاہ اور عرب کی مخالطت سے خود اُسے سیکھا اور دوسروں کے (سیکھنے سکھانے
کے) لئے اس زبان کے قوانین اور بنیادیں ڈال گئے - اسی طرح محدّث بھی جنہوں نے
علم حدیث کو مسلمانوں سے سیکھا تھا - اکثر عجمی ہی ہیں - یا وہ لوگ جو زبان اور
جائے تربیت میں عجمی بن گئے تھے - علمائے اصول فقہ تو سب کے سب جیسے کہ
آگے معلوم ہوگا - عجمی تھے - یہی حال علم کلام (وہ علم جس سے عقائد ایمانیہ کو دلائل
کے زور سے کفر و الحاد سے بچنے کے لئے ثابت کیا جاوے - اس علم کے موجد
امام ابوالحسن اشعری اور ابو منصور ماتریدی تھے) والوں اور اکثر مفسّرین کا ہے
علم کی حفاظت اور اس کی تدوین بھی عجمیوں نے ہی قائم رکھی - غرض رسول خدا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کہ اگر علم آسمان کے کناروں تک جاکر معلق
ہو جاوے - یعنی زمین سے بالکل گم ہو جاوے - تو اہل فارس کا ایک گروہ
اُس کو وہاں سے لائیگا - (محدّثین نے بالاتفاق اس صحیح حدیث کا مصداق امام
ابو حنیفہ کوفیؒ اور بعضوں نے امام بخاریؒ کو ٹھہرایا ہے - کیونکہ ہر دو فارسی
النسل تھے) کا مصداق ظاہر ہو گیا -

باقی رہے عرب - سو جب وہ بدویت (یعنی جنگل کی زندگی) سے نکلے -
اور اس شہریت اور تمدن کو حاصل کیا - تو دولت عباسیہؒ کے اندر امارت اور سلطنت
نے اُنکو اس (تحصیل علوم) سے روک دیا - سو وہ بوجہ قیام سلطنت کے علم کو قائم

کرنے اور اس کے اندر غور و خوض کرنے کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ اس لئے کہ وہی سلطنت کے مالک اور اس کے حامی و ناصر تھے۔ اور صاحب سیاست تھے علاوہ اس کے حصول علم سے انکو نفرت لاحق ہوگئی تھی۔ کیونکہ اُن دنوں علم منجملہ صنعتوں کے ہوگیا تھا۔ اور امرا تو ہمیشہ صنعتوں۔ دستکاریوں اور ان اشیا سے جو اُن کو پیدا کرتی ہیں۔ نفرت کرتے ہیں۔ پس انہوں نے علم کو عجمیوں اور مولّدین (نوزائیدہ یعنے وہ جو تھے غیر عرب مگر عربوں کے اندر ولادت پائی) پر چھوڑ دیا۔ جنہوں نے اسکو قائم کیا۔ اور یہ عرب لوگ اُن عجمیوں کے حق کو جنہوں نے اس علم کو قائم رکھا۔ ہمیشہ (عزت کی نگاہ سے) دیکھتے رہے۔ اور حاملان علم کی ذرا تحقیر نہیں کرتے تھے۔ یہانتک کہ جب سلطنت عربوں کے ہاتھوں سے بالکل نکل گئی۔ اور عجمیوں کے ہاتھ پڑی۔ تو چونکہ ان سلطنت والونکی علوم شرعیہ سے کوئی گہرا تعلق نہ تھا۔ اس لئے ان علوم کی ان کے نزدیک بیقدری رہی۔ اور حاملان علوم شرعیہ بھی ذلیل و خوار رہے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ وہ اُن سے بعید ہیں۔ اور ملکی اور سیاسی باتوں میں پڑکر اُن چیزوں میں مشغول ہوگئے۔ جو اُن کو نفع نہ دیتی تھیں۔ جیسے کہ ہم نے مراتب دنیئیہ کے نقل کرنے کے وقت اس کا ذکر کیا تھا۔ سو یہ جو ہم نے تقریر کی وہ سبب ہے۔ جس کی وجہ سے حاملان شریعت عجمیوں سے ہوئے ہیں۔ اب رہے علوم عقلیہ۔ سو ان کا ظہور بھی ملّت اسلامیہ کے اندر اس وقت ہوا۔ جبکہ حاملان علم اور اس کی تالیف کرنے والوں کا فرقہ الگ ہوچکا تھا۔ اور علم تمام کا تمام صنعت کے رتبہ تک پہنچ چکا تھا۔ پس یہ علوم بھی عجمیوں سے مخصوص ہوگئے۔ اور عربوں نے انہیں ترک کردیا۔ اور انکے حصول سے برگشتہ ہوگئے۔ سو اُن کے اٹھانے والے وہی عجمی لوگ ہوئے۔ جو عرب (جیسی وضع قطع کے) بن گئے تھے۔ صنعتوں کی حالت تو وہی ہے جیسے کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ سو جب تک عراق۔ خراسان اور ماوراءالنہر وغیرہ بلاد عجم میں شہریت اور تمدن رہا۔ یہ (شرعیہ و عقلیہ) علم بھی انہیں بلاد میں ہمیشہ رہے۔ جب یہ شہر اور ملک برباد ہوگئے۔ اور سے وہ تمدن بھی جاتا رہا جو حصول علم اور صنائع کے لئے اللہ تعالےٰ کا

برار از ہے۔ تو عجمیوں سے بھی تمام علم جاتا رہا۔ بوجہ اِس بات کے کہ اُن کو بداوت شامل ہوگئی تھی۔ اور یہ علم اُن ممالک سے مخصوص ہوگیا جہاں بکثرت آبادی اور تمدن تھا۔ چنانچہ آجکل تمدن کے لحاظ سے مصر سے کوئی ملک بڑھا ہوا نہیں ہے۔ اس لئے وہ تمام عالم کی بازگشت ہے۔ اسلام کا ایوان اور تمام علوم اور صنائع کا مرکز بنا ہوا ہے۔ ماوراءالنہر میں کچھ تمدن باقی رہا۔ کیونکہ وہ سلطنت کی وجہ سے جو وہاں موجود ہے۔ وہاں قائم ہے۔ سو علوم اور صنائع انہی لوگوں کے حصّے میں آگئے ہیں۔ اور اِس بات کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اِس بات کی آگاہی ہمیں ایک عالِم کی کلام سے ہوئی جو اس کی اِن تالیفات کے اندر موجود ہے۔ جو اِن مغربی شہروں میں ہمیں پہنچیں۔ وہ صاحب علامہ سعدالدین تفتازانی ہیں۔ انکے علاوہ امام ابن الخطیب اور خواجہ نصیرالدین طوسی کے بعد ہم کسی عجمی کی کلام کو نہیں پاتے جو اس کے نہایت کمال کو ثابت کرے۔ ذرا اس بات کو غور و خوض سے دیکھو۔ تمہیں مخلوق کے احوال میں عجیب باتیں نظر آئینگی۔ اللہ تعالےٰ جس چیز کو چاہے اُسی کو پیدا کرتا ہے۔ اِس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اپنی ذات و صفات میں یگانہ ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ سلطنت اور ستائش اسی کو زیبا ہے۔ اور وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمیں اللہ تعالےٰ کافی ہے۔ وہی ہمارا اچھا ذمہ وار ہے۔ اور اس کا بڑا شکر ہے :-

---

نوٹ

ہارون رشید۔ خلافتِ عباسیہ کا پانچواں خلیفہ ہے۔ مہدی کا بڑا لڑکا تھا۔ ۱۷۰ھ سے ۱۹۳ھ تک ۲۳ سال نہایت لیاقت حسن تدبیر سے حکومت کی۔ دولت اسلامیہ اس کے زمانے میں اوج و اقبال کو پہنچگئی تھی۔ فتوحات کثرت سے ہوئیں۔ علم و فضل کو اُس کے ہاں بڑی ترقی ملی۔ یورپ کے بادشاہوں سے رابطہ محبت قائم کیا تھا۔ خود بڑا عالم اور ادیب تھا:-

۹۳
ابو بشر عمر بن عثمان سیبویہ فارسی النسل تھا۔ بصرہ کے مشہور نحویوں میں سے تھا۔ اس کی گرامر کتاب سیبویہ تمام دنیا میں مشہور ہے۔ سنہ ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔

۹۴
ابو علی حسن بن احمد فارسی بھی بڑے ادیب اور نحوی تھے۔ سنہ ۳۷۷ھ میں فوت ہوئے۔

۹۵
ابو اسحاق ابراہیم بن محمد زجاج بڑا بھارا نحوی اور ادیب تھا۔ مبرد نحوی کا شاگرد تھا۔ سنہ ۳۱۱ھ میں فوت ہوا۔ مسکن بغداد رہا۔

۹۶
دولت عباسیہ۔ بنی اُمیہ کی حکومت کے بعد اس سلطنت نے کمال ترقی کے ساتھ ۵۲۴ سال یعنے سنہ ۱۳۲ھ سے سنہ ۶۵۶ھ تک بادشاہی کی۔ اس خاندان میں ۳۷ بادشاہ ہوئے ہیں۔ اس کے عہد میں بڑی فتوحات ہوئیں۔ منصور۔ ہارون۔ مامون۔ متوکل۔ اس کے اندر بھارے بادشاہ گزرے ہیں۔ اخیر بادشاہ مستعصم باللہ تھا۔ ہلاکو خان چنگیزی کے ظالمانہ ہاتھ سے اس کا خاتمہ ہوا۔

۹۷
سعد الدین عمر بن مسعود شافعی مشہور بہ تفتازانی اعلیٰ پایہ عالم اور ادیب تھے۔ علوم عقلیہ میں انکو بڑا ملکہ حاصل تھا۔ علم کلام میں خاصکر انہوں نے کمال حاصل کیا۔ شرح مقاصد۔ شرح عقائد نسفی۔ مطوّل۔ تلویح اور تہذیب المنطق جو تمام درسی کتابیں ہیں۔ اور جو تمام مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی ہیں۔ کے مصنف ہیں۔ خراسان میں مسکن رہا۔ سنہ ۷۹۲ھ میں وفات پائی۔

۹۸
امام ابن خطیب جن کا اصلی نام ابو عبد اللہ محمد بن عمر تھا۔ اور جو عام طور پر فخر الدین رازی کے نام سے مشہور ہے۔ اسی ابن خلدون کا ہمعصر تھا۔ سلطان غرناطہ کا وزیر رہا۔ اس کے نام نامی سے ہر ایک آدمی واقف ہے۔ ہر ایک علم میں اس نے کتابیں لکھیں امور سلطنت چونکہ کار تصنیف سے مانع تھے۔ اس لئے رات کو یہ کام کرتا رہا۔ علم تفسیر۔ کلام اور منطق میں کمال پایہ حاصل تھا۔ ان کی

بعض تصانیف حسب ذیل ہیں۔ تفسیر کبیر۔ شرح اشارات۔ نہایۃ العقول سر المکتوم۔ مطالب علیہ وغیرہ۔ ۶۰۶ھ میں ۶۱ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مسکن ہرات رہا۔

نصیر الدین محمد بن محمد بن حسن طوسی جو محقق طوسی کے نام سے مشہور ہے۔ شیعہ مذہب تھا۔ علم و فضل میں بے نظیر تھا۔ بیشمار کتب تصنیف کیں۔ بعض ان میں سے یہ ہیں۔ شرح اشارات تجرید۔ تحریر مجسطی۔ بحث امامت۔ اخلاق ناصری۔ رسالہ فصول وغیرہ۔ نیز علم ہیئت۔ جفر ورمل میں خوب ملکہ رکھتا تھا۔ امام رازی اور اس کے مابین خوب مناظرے رہے۔ ۶۷۳ھ میں وفات پائی ۱۔

فصل ۳۷
عربی علم اللسان

اس کے چار رکن ہیں۔ لغت۔ نحو۔ بیان۔ ادب۔ اہل شریعت کو ان کا جاننا ضروری ہے۔ کیونکہ احکام شرعیہ کا ماخذ ہیں کتاب و سنت۔ اور وہ دونوں عربی زبان میں ہیں۔ عربوں نے ہی صحابہ اور تابعین سے انہیں نقل کیا۔ ان علوم کے مشکل مقامات کی شرح بھی انہی کی زبان میں ہوئی۔ اس لئے اس شخص کے لئے جو علم شریعت حاصل کرنا چاہے۔ ان علوم کا جاننا جو اس زبان عربی سے تعلق رکھتے ہوں۔ ضروری ہے۔ تاکید اور اہمیت کے لحاظ سے جو ان علوم کے اندر فرق ہے۔ وہ ان کے ان مراتب کے فرق کے لحاظ سے ہے۔ جن سے کہ مقصود کلام پوری طرح ادا ہو۔ جیسے کہ ظاہر ہو جائیگا۔ جبکہ فن فن کرکے ان کی بابت کلام کی جاوےگی۔ جو بات ان سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ان میں سے جو اہم اور زیادہ ضروری ہے۔ اور اس لئے وہ سب سے مقدم ہے۔ وہ علم نحو ہے۔ کیونکہ اندرونے دلالت (ایک چیز کا دوسری چیز کا پتہ دینا جیسے دھواں اور آگ) اسی کے ذریعہ سے

اصول مقاصد ظاہر ہوتے ہیں۔ جنکے باعث فاعل کی امتیاز مفعول سے اور مبتدا کی خبر سے ہو جاتی ہے (جس سے کہ کلام سمجھ میں آتا ہے) اگر یہ علم نہ ہوتا۔ تو اصل افادہ (یعنے کلام کا دوسرے کو مفید ہونا) گم ہو جاتا۔ بظاہر علم لغت نحو پر مقدم ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن اکثر اوضاع لغویہ اپنے موضوعات کی حالت میں باقی ہیں (اوضاع لغویہ سے مراد وہ الفاظ جو واضع نے کسی معنے کے واسطے موضوع کئے ہیں۔ مثلاً اسد کا لفظ واضع نے درندۂ مخصوص یعنے شیر کے واسطے وضع کیا ہے۔ اسد موضوع ہے۔ اور شیر موضوع لہٗ ہے) اور ان میں کوئی تغیر نہیں آیا۔ برخلاف اعراب کے (زبر۔ زیر۔ پیش) جو اسناد۔ مسند۔ اور مسند الیہ پر دلالت کرتا ہے۔ سو وہ بالکل متغیر ہوگیا ہے۔ اور اس کا کوئی بھی نشان باقی نہیں رہا۔ اس لئے لغت سے نحو زیادہ ضروری ہوگیا ہے۔ کیونکہ علم نحو کی ناواقفیت میں تو سراسر ایک دوسرے کی بات سمجھنے میں خلل واقع ہو جائیگا۔ اور یہ بات علم لغت میں نہیں ہے۔ اور حق جلّ و تعالےٰ زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اور اُنہی سے توفیق ملتی ہے:۔

علم النحو

جاننا چاہیئے۔ کہ جیسے کہ عام عرف میں مشہور ہے۔ لغت سے مراد وہ عبارت (ایک چیز کو دوسری سے تعبیر کرنا) ہے جو متکلم اپنے مقصود یعنی ما فی الضمیر کیلئے بولتا ہے۔ اور اس عبارت کا ظاہر کرنا زبان کا فعل ہے۔ اس لئے ضرور ہے۔ کہ اس عضو کے اندر جو اس عبارت کو فعل میں لانے والی ہے ملکہ راسخ ہو۔ یہ عضو زبان ہے۔ یہ زبان ہر قوم کے اندر اس کی اصطلاحوں کے مطابق ہے:۔

اس زبان سے جو ملکہ عرب کو حاصل تھا۔ وہ تمام ملکوں سے زیادہ اور مقاصد کو زیادہ واضح طور سے ظاہر کرنیوالا تھا۔ کیونکہ اس ملکہ کے

اندر کلمات کے علاوہ (حرکت - حرف جیسی) اور بہت سی چیزیں ہیں - جو اکثر معانی پر
دلالت کرتی ہیں - مثلاً حرکات جن سے فاعل کی مفعول اور مجرور یعنی مضاف سے
تعیین ہو جاتی ہے - (کیونکہ عربی میں قاعدہ ہے کہ فاعل ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے مفعول
منصوب اور مجرور مکسور) اور حروف جو فعلوں کو اُنکی ذاتوں اور اصلیتوں تک بغیر
دوسرے الفاظ کی ضرورت کے پہنچا دیتے ہیں یہ بات سوائے زبان عرب میں
اور کہیں نہیں پائی جاتی - اس کے سوا باقی زبانوں کے اندر ہر ایک معنی یا حالت
کے لئے ضروری ہے - کہ ایسے الفاظ چاہئیں - جو خاص طور پر ان پر دلالت کریں
اسی لئے ہم دیکھتے ہیں - کہ ہمکلامی کے وقت عربی کلام کی نسبت عجمی کلام میں
زیادہ الفاظ ہوتے ہیں (یعنی ادائے مطلب میں عجمیوں کو عربوں کی نسبت بہت
سارے الفاظ کہنے پڑتے ہیں - خود اسی کلام کو ہی ملاحظہ کر لیجئے) حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے اس قول کا یہی منشہ ہے - کہ مجھے ایسے کلمات دیئے گئے ہیں - جو
جامع ہیں - اور کلام میرے واسطے بہت مختصر کر دی گئی ہے (یعنی الفاظ
تھوڑے - معانی بہت) پس ان عربوں کی زبان میں تمام حروف حرکات اور
ہیئتوں یعنے اُنکی صورتوں کے لئے ایک ایسی عبارت مقرر ہو گئی - جو مقصود پر
دلالت کرتی تھی - اور اس عبارت کے اندر کسی اور صناعت اور فن کی ضرورت
نہ پڑتی تھی جس سے وہ یہ عبارت حاصل کریں - بلکہ یہ اُنکی زبانوں میں ایسا ملکہ
تھا - جس کو پچھلا پہلے سے لیتا رہا (یعنی نسلاً بعد نسلٍ اُن کے اندر منتقل ہوتا
چلا آتا تھا) جیسے کہ اس زمانہ میں ہمارے بچے ہماری زبانوں کو سیکھ جاتے ہیں
سو جس وقت اسلام آیا - اور عرب اس ملک کے لینے کے لئے جو دیگر قوموں اور
سلطنتوں کے ہاتھوں میں تھا - حجاز سے علیحدہ ہوئے اور عجمیوں سے خلط
ملط ہوئے - تو یہ ملکہ بھی بگڑ گیا - بدیں وجہ کہ ان کے کانوں میں عربوں سے
خلط ملط شدہ عجمیوں کے مخالف کلمات پڑے - اور تمام ملکہ لسانی کا باپ اور
انحصار سماع پر - اس لئے وہ ملکہ بھی بدیں سبب فساد پذیر ہو گیا - کہ اُن کو
مغائر کلمات سنائے جاتے تھے - جنکی طرف کان حسب عادت میلان کر لیا
کرتے تھے - اہل علم اب ان عربوں سے اس بات سے خوف زدہ ہوئے

کہیں یہ ملکہ سرے ہی سے نہ بگڑ جائے۔ اور یہ کہ اسی طرح زمانہ دراز تک قرآن اور حدیث کا سمجھنا عقلوں پر مشکل پڑ جاویگا۔ اس لئے انہوں نے اِن عربوں کے کلام کے موقعوں سے اس کلیہ اور قاعدہ کی مانند قوانین استنباط کئے۔ جن سے وہ کلام کے باقی انواع کا قیاس کر لیتے تھے۔ اور ایک نظیر کو دوسری نظیر سے ملاتے تھے۔ مثلاً یہ قاعدہ کہ فاعل ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے۔ (یعنے اخیر حرف پر پیش آتا ہے) مفعول منصوب۔ (یعنی اخیر حرف پر زبر آتی ہے) اور مبتدا مرفوع بعد ازاں اِن کلمات کے حرکات کے تغیر سے جو دلالت میں تغیر آجاتا تھا۔ اس کو دیکھا سو اس دلالت کا نام انہوں نے اعراب رکھا۔ اور وہ جو اس تغیر دلالت کا سبب ہو (یعنی موجب اعراب کا) اس کا نام عامل رکھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ تمام ایسی اصطلاحیں بن گئیں۔ جو اِن علمائ سے مخصوص تھیں۔ سو انہوں نے سب کو کتاب کی صورت میں جمع کیا۔ اور ان کو اپنا ایک مخصوص فن بنا لیا۔ اور اِن سب اصطلاحات کے مجموعہ کا نام علم نحو رکھا۔ اس علم میں سب سے پہلے جس نے یہ مسائل لکھے وہ ابو اسود دُولی بن عمر بنی کنانہ کا تھا۔ اور کہتے ہیں (بقول صاحب کتاب مفتاح السعادت) کہ یہ کام انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اشارہ سے کیا۔ کیونکہ آن حضرت نے ملکہ کا تغیر جو دیکھا۔ تو اس کو اس ملکہ کے محفوظ کرنے کا اشارہ کیا۔ سو یہ شخص ایسے قوانین کے ذریعہ سے جو سامنے موجود تھے اور جو پڑھے جاتے تھے۔ اِس ملکہ کے نگہداشت کی طرف جلدی سے بڑھا اس کے بعد لوگوں نے اس علم میں کتابیں لکھیں۔ یہانتک کہ خلیل بن احمد فراہیدی کا زمانہ آیا۔ یہ ہارون رشید کا عہد خلافت تھا۔ اور چونکہ عربوں سے یہ ملکہ چلا گیا تھا۔ اس واسطے وہ تمام لوگوں سے اس کی طرف زیادہ محتاج تھا۔ یہ دیکھکر خلیل نے اِس فن کی تنقیح کی۔ اور اس کو (اصول مسائل لکھکر) بابوں کی صورت میں مکمل کر دیا۔ اس سے یہ علم سیبویہ (جو اس کا بڑا نامور شاگرد تھا۔ اور جس کا ذکر پہلے آچکا ہے) نے سیکھا۔ اور اس کی فروعات کی بھی تکمیل کر دی۔ بہت سی دلائل اور نظائر قائم کیں۔ جنکو اس نے اپنی مشہور کتاب مسمیٰ بہ کتاب سیبویہ میں جمع کر دیا۔ یہ کتاب تمام کتابوں کی جو اس نے ج‍

علمی بحثیں - امام اور ستادی مانی گئی - بعد ازاں ابوعلی فارسی اور ابوالقاسم زجاج نے
متعلمین کے لیئے چند مختصر کتابیں لکھیں جن کے اندر انہوں نے امام سیبویہ کی کتاب
کے مطابق پیروی کی - اس سے فن میں عام بحث ہونے لگی - اور کوفہ و بصرہ کے اندر
جو عرب کے قدیمی شہر تھے - نحویوں کے اندر اختلاف پیدا ہوگیا - اور ان کے دلیلوں
اور حجتوں کی کثرت ہونے لگی - تعلیم کے طریقے مختلف ہو گئے - اور بوجہ ان کے ان
قواعد میں مختلف ہونے کے قرآن شریف کی اکثر آیتوں کے اعراب کے اندر کثرت
اختلاف ہوگیا - یہ بات متعلمین پر بڑی گراں ہوئیں - متاخرین نے آکر ان دونو
مذہبوں کی طول طویل باتوں میں سے بہت ساری کو مختصراً یک جا جمع کر دیا -
کہ تمام نقل شدہ باتوں کو بالاستیعاب (یعنے پورے طور سے) لیا - جیسے کہ ابن
مالک نے اپنی کتاب تسہیل کے اندر اور اس جیسے اوروں نے کیا - یا الٹا متاخرین
نے متعلمین کی خاطر ابتدائی باتوں پر کفایت کی - جیسے کہ زمخشریؒ نے اپنی کتاب مفصل
کے اندر اور ابن حاجبؒ نے اپنے مقدمہ کے اندر (یعنے کافیہ میں) لکھا - بعضوں نے
ان اسب نحوی مسائل اور اختلاف مابین الکوفیین والبصریین) کو آسانی سے یاد ہونے
کے لئے) نظم کر دیا - جیسے ابن مالکؒ نے ارجوزہ کبریٰ اور ارجوزہ صغریٰ ہیں - (ارجوزہ
ایسے قصیدے کو کہتے ہیں جو بحر رجز میں ہو - یا اس کی مانند ہو) اور ابن معطی
نے ارجوزہ الفیہ میں (جس کا حرف رومی یعنی قافیہ کا اخیر حرف الف ہو) مختصر یہ کہ
اس فن میں اتنی تالیفات ہیں - کہ ان کو احاطہ اور شمار میں بھی نہیں لا سکتے ؛-

اس علم نحو کی تعلیم کے طریقے بھی باہم مختلف ہیں - متقدمین کا طریقہ
تعلیم متاخرین کے طریق تعلیم سے بالکل جدا ہے - اسی طرح سے کوفیوں - بصریوں
بغدادیوں اور اندلس یعنے سپین کے رہنے والوں کے طریقے بھی مختلف ہیں -
(اسلامی دنیا میں) آبادی اور تمدن میں زوال آنے کے باعث جو اور علوم و فنون
میں ہم نے کمی ہوتی دیکھی - تو قریب تھا - کہ یہ فن نحو بھی گم ہو جاتا - (لیکن مصری
تمدن نے سب کو بچا لیا) اور ابھی زمانوں میں ہمیں ایک دیوان (تدوین شدہ کتاب)
مصر سے پہنچا - جو وہاں کے ایک عالم مولانا جمال الدین ابن ہشام کی
طرف منسوب کیا گیا ہے - اس کے اندر اس نے اعراب کے احکام مفصل اور مجمل

طور سے بالاستیفا بیان کئے ہیں۔ اور حروف و مفردات اور جملوں کی بحث لکھی ہے جو اس فن میں اکثر ابواب کے اندر بار بار الفاظ آتے ہیں اُن کو حذف کر دیا ہے اس کتاب کا نام اس نے المغنی فی الاعراب رکھا ہے۔ نیز اس نے جا بجا تمام اعراب قرآنی کے متعلق نکات بھی بیان کئے ہیں۔ اور اُنکو بابوں فصلوں اور قاعدوں کی صورت میں یکجا جمع کر دیا ہے۔ اس کتاب سے ہمیں بڑے گہرے علم کی آگاہی ہوگئی۔ جو مؤلف کے اس فن میں عالی مرتبہ ہونے اور زیادتی علم کی شہادت دیتا ہے۔ گویا وہ ابن اپنے طریقے میں موصل والوں کا طریقہ چلا ہے۔ جو ابن جنی کے نشان قدم پر گئے ہیں۔ اور جو اس کی اصطلاحات کے پیرو ہیں۔ مؤلف کی یہ کتاب ایک عجیب شے ہے۔ جو اس کی قوت ملکہ اور واقفیت پر دلالت کرتی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس کو چاہتا ہے۔ زیادتی بخشتا ہے۔

نوٹ

ابو الاسود ظالم بن عمرو۔ شاعر۔ نحوی۔ تابعی و محدث عام روایات میں علم نحو کا موجد مانا گیا ہے۔ کہتا تھا۔ کہ میں نے مبادی علم نحو کے حضرت علیؓ سے سیکھے۔ حضرت علی کے زمانہ میں یہ قضا کے عہدہ پر مقرر تھا۔ زیاد بن معاویہ نے اسکو علم نحو کے بارے میں قرآن پاک کی خاطر کتاب لکھنے کو کہا تھا پہلے تو معذرت چاہی۔ لیکن جب ایک موقعہ پر قرآن کی ایک آیت غلط پڑھتی سُنی۔ تو ناچار راضی ہوگیا۔ سکونت مدینہ میں رہی۔ لیکن ۹۹ھ میں بمقام بصرہ بعہد خلافت بنی امیہ فوت ہوا۔ کیونکہ ابن عباس نے اس کو وہاں کا والی مقرر کیا تھا۔

خلیل بن احمد عروضی۔ فرہود یا فراہیدی ازد کی ایک شاخ ہے۔ یہ اُسی قبیلہ سے تھے۔ علم عروض کا موجد یہی ہے۔ بصرہ کے سکول نحو کا سب سے بڑا استاد تھا۔ سیبویہ اس کا شاگرد تھا۔ اصمعی نے

کتاب العین علم لغت میں لکھی۔ جس کا ذکر آگے آئیگا۔ سنہ ۱۷۰ھ میں وفات پائی:۔

ابن مالک۔ ابو عبد اللہ بن عبد اللہ۔ اصلی نام۔ علم اشتقاق اور لغت کا ماہر۔ اس کی کتاب الفیہ۔ علم نحو میں مشہور ہے۔ نظم میں لکھی گئی ہے۔ مسکن دمشق رہا۔ سنہ ۶۷۲ھ میں وفات پائی:۔

ابو القاسم محمود بن عمرو زمخشری۔ ملقب بہ جار اللہ۔ بڑا علامہ تھا لغت۔ ادب۔ اور نحو میں یکتائے زمانہ تھا۔ سب سے اوّل تفسیر کشاف اسی نے لکھی۔ بڑی اعلیٰ پایہ کی ہے۔ مگر معتزلی تھا۔ کتاب المفصّل کے علاوہ دیگر تصانیف یہ ہیں۔ اطواق الذہب۔ ربیع الابرار اساس البلاغۃ۔ مقامات زمخشری وغیرہ۔ اس کا حال آگے آئیگا مسکن خیوا اور مکہ رہا۔ سن وفات سنہ ۵۳۸ھ:۔

ابن حاجب۔ اصلی نام جمال الدین ابو عمر عثمان بن عمر حاجب مشہور نحوی ہے۔ صاحب کافیہ و شافیہ۔ و مقصد الجلیل مسکن بغداد و سکندریہ۔ سن وفات سنہ ۶۴۶ھ:۔

ابن معطی۔ یہ بھی بڑے نحویوں میں سے تھے۔ اس کی کتاب الفیہ منظوم مشہور ہے:۔

ابن جنی۔ اصل نام ابو الفتح عثمان۔ اعلےٰ درجہ کا نحوی تھا۔ بغداد میں سکونت رہی۔ سنہ ۳۹۲ھ میں فوت ہوا:۔

علم لغت

یہ وہ علم ہے۔ جس سے موضوعات لغویہ معلوم ہوں۔ اس علم کی یوں ضرورت ہوئی۔ کہ جب عربی زبان کا ملکہ (عجم کے اختلاط سے) ان حرکات میں جن کا نام نحویوں کے نزدیک اعراب تھا۔ بگڑ گیا۔ اور جیسے کہ ہم کہہ چکے ہیں۔ اس ملکہ کی حفاظت کے لئے کئی قوانین استنباط کئے گئے۔ پھر اس کے بعد عجمیوں کے ساتھ مخالطت اور مشارکت کی وجہ

سے یہ فساد و ملکہ جاری رہا۔ یہانتک کہ موضوعاتِ الفاظ (کے اندر تصرف بیجا) کی نوبت آ پہنچی۔ اور اسی لئے بہت ساری عربی کلام اُن کے غیر موضوع الفاظ میں استعمال ہونے لگی۔ کیونکہ متعربین کی خِلط مِلط شدہ اصطلاحین عربیّت سے بالکل نرالی تھیں۔ تو موضوعات لغویہ کو اُن کے مٹ جانے اور اس بات کے خوف سے کہ اس کا نتیجہ قرآن و حدیث سے جہالت پیدا ہو۔ کتاب اور تدوین کی صورت میں محفوظ کرنے کی حاجت پڑی۔ ائمہ زبان میں بہت ساروں نے اِس امر کے لئے کمر باندھی۔ اور اِس فن میں مدوّن کتابیں لکھیں۔ اس میدان میں سب سے گھوڑا دوڑانے والا خلیل بن احمد فراہیدی ہے۔ جس نے اِس فن کے اندر کتاب العین تصنیف کی۔ جس کے اندر تمام دو حرفی۔ سہ حرفی۔ چہار حرفی پنجحرفی مرکبات حروف معجم کے لحاظ سے حصر کے ساتھ قلمبند کئے۔ اور یہ پنج حرفی کلمہ اخیر مرکّب ہے۔ جہانتک کہ زبانِ عربی کے اندر ترکیب کی انتہا ہو سکتی ہے۔ اور پھر طریقہ حصر بھی عددی طور پر اختیار کیا ہے۔ یعنی (چونکہ کل حروف ۲۸ ہیں) تمام دو حرفی کلمے تمام اعداد سے نکل سکتے ہیں۔ بدین طور کہ اِن میں سے علی الترتیب پہلے کو باقی ۲۷ حروف سے ترکیب دیجاوے۔ کیونکہ اِن حروف میں سے ایک حرف ۲۷ حروف سے ترکیب دیا جاسکتا ہے اِس لحاظ سے (پہلے حرف کو لیکر باقی ۲۷ سے ترکیب دینے سے) دو حرفی الفاظ ۲۷ ہوئے پھر ایسا ہی دوسرا حرف لیکر باقی کے ۲۶ سے ترکیب دیا جاوے۔ اسی طرح تیسرے اور چوتھے حرف کو لیکر۔ پھر ستائیسویں حرف کو اٹھائیسویں حرف سے ترکیب دیجاوے۔ تو ایک لفظ ہو جاویگا۔ پس سارے الفاظ علی الترتیب ایک سے لیکر ستائیس تک ہوجاوینگے یہ سارے جمع ہو سکتے ہیں۔ جیسے کہ حساب والوں کے نزدیک مشہور عمل ہے۔ (وہ یہ ہے کہ اخیر عدد سے ایک جمع کرکے اِس مجموعہ کو اُسی اخیر عدد سے ضرب دی اور حاصل ضرب کا نصف لے لیا۔ مثلاً $\frac{۲۷ \times (۲۷+۱)}{۲} = ۳۷۸$) پھر دو حرفی الفاظ کو ہیر پھیر کرنے کے لئے اِس مجموعہ کو دوگنا کیا جاوے۔ اِسلئے کہ ترکیب حروف کے اندر حروف میں تقدیم و تاخیر جائز ہے۔ پس یہ تمام دو حرفی الفاظ کا مجموعہ ہوجاویگا۔ ($۳۷۸ + ۳۷۸ = ۷۵۶$) تین حرفی الفاظ اِس طرح نکلینگے۔ کہ تمام دو حرفی الفاظوں کے عدد کو اتنے مجموعہ سے ضرب دیا جاوے جو ایک سے لیکر ۲۶ تک جمع کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک دو حرفی لفظ پر ایک حرف زائد کریں۔ تو سہ حرفی بن جاویگا۔ تو گویا دو حرفی لفظ بطور ایک

حرف کم ہو جاویگا جس سے ہر ایک حرف باقی ۲۷ حروف میں ملایا جاویگا۔ سو علی الترتیب ایک
سے ۲۶ تک جمع کئے جاوینگے (یہ مجموعہ (۲۶×(۲۶+۱))/۲ = ۳۵۱ آئیگا) اور اس کے ساتھ
دو حرفی الفاظ کے میزان کو ضرب دی جاویگی۔ (حاصل ضرب = ۷۵۶ × ۳۵۱ = ۲۶۵۳۵۶
پھر اس حاصل کو ۶ کے عدد سے جو مجموعہ ہے سہ حرفی کلمہ کو ہیر پھیر کرنے کا۔ ضرب دیجاوے
(مثلاً ضرب۱ - ضبر۲ - ربض۳ - رضب۴ - بضر۵ - برض۶ -) تو حروف معجم کی تمام سہ حرفی ترکیبوں
کا مجموعہ نکل آئیگا۔ (گویا کل سہ حرفی الفاظ = ۲۶۵۳۵۶ × ۶ = ۱۵۹۲۱۳۶)۔ یہی
حال ہے چہار حرفی اور پنج حرفی الفاظ کا۔ اور اسی طور پر اُن کی ترکیبیں حاصل ہوتی ہیں
اِس مؤلف نے حروف معجم کے موافق عام مشہور ترتیب کی رو سے باب وار
اس کتاب کی ترتیب کی۔ اور جہاں سے حروف نکلتے ہیں۔ ان مخرجوں کی ترتیب پر زور
دیا۔ پہلے وہ حروف ہیں۔ جو حلق سے نکلتے ہیں۔ پھر جو تالو سے پھر جو داڑھوں
سے۔ ازاں بعد لب سے نکلنے والے اور سب کے پیچھے حروف علت (ا - و - ی) ہیں
جو حروف ہوائی ہیں۔ اور حلقی حروف میں سے پہلے عین کا حرف لیا۔ کیونکہ ان
حروف میں سے یہ انتہائی ہے۔ اسی لئے اپنی کتاب کا نام بھی اس نے کتاب العین
رکھا ہے۔ یہ اس لئے کہ متقدمین اپنی مدوّن کتابوں کے نام رکھنے میں ایسا
طریقہ چلا کرتے تھے۔ یعنی کتاب میں جو کلمہ اور لفظ پہلے پہل آوے۔ وہی نام کتاب
کا بھی رکھ دیتے تھے۔ نیز اس نے مہمل اور مستعمل الفاظ کو ایک دوسرے سے علیحدہ
تمیز کرنے کے لئے بیان کیا۔ مہمل الفاظ چہار حرفی اور پنج حرفی الفاظ میں اکثر آتے ہیں
کیونکہ عرب بوجہ اُن کے ثقیل ہونے کے ان کو تھوڑا استعمال کرتے ہیں۔ اور دو
حرفی الفاظ کو بوجہ اُن کے قلت دوران کے۔ انہی کے ساتھ ملا دیا۔ سہ حرفی الفاظ
کا استعمال زیادہ تر تھا۔ اسی واسطے بوجہ اس کے دوران (ہیر پھیر کرنا۔ گردان کرنا)
کے اس کی صورتیں بہت سادی ہیں۔ یہ تمام باتیں خلیل نے اپنی کتاب العین
کے اندر جامع۔ اور احسن طریقہ سے بالاستیعاب بیان کی ہیں۔ بعدہ ابوبکر
زبیدی آئے۔ اور انہوں نے خلیفہ ہشام موید کے لئے بمقام اندلس چوتھی صدی
کے اندر ایک کتاب لکھی۔ اس میں انہوں نے محافظت کے ساتھ بالاستیعاب
اس کا اختصار کیا۔ اور اس میں مہمل الفاظ اور بہت سارے مستعمل الفاظ کے

شواہد حذف کر ڈالے۔ واقعی انہوں نے خوب اچھا خلاصہ کیا ہے۔ مشرق والوں میں سے جوہری
نے حروف معجم کی اسی ہو ترتیب کے مطابق کتاب الصحاح تصنیف کی۔ اور ہمزہ سے شروع کی
اور تمام حروف کو کلمہ کے اخیری حرف سے مرتب کیا۔ لفظ کے حرف اول کو فصل اور
آخر کو باب قرار دیا کیونکہ لوگوں کو اکثر کلمہ کے اخیری حرفوں کی زیادہ ضرورت ہوتی
ہے۔ اور خلیل کی طرح الفاظ لغوی کا حصر کیا۔ پھر سپین والوں میں سے ابن سیدہ
نے جو اندلس کا رہنے والا تھا علی بن مجاہد کے زمانہ میں کتاب محکم لکھی جس میں اس نے
بالاستیعاب اس طریقہ کو اور کتاب العین کی ترتیب کو اختیار کیا۔ بلکہ کلمات
کے اشتقاق اور گردانوں کی بحث اور بڑھا دی۔ سو یہ کتاب اس نے عمدہ مدون
کتابوں میں سے پیدا کی۔ اور محمد بن ابو الحسین مصاحب بادشاہ مستنصر جو سلطنت
حفصیہ کا ایک بادشاہ تھا۔ اس نے تمام نحویوں الحسن کتاب صحاح کا تتمہ لکھا
اور کلمہ کے اخیری حروف اور ان پر (ابواب کا) انحصار کرنے کے اعتبار سے انہی کتاب
کے مطابق ترتیب دی۔ جس سے دو لغت کتابیں ایسی ہو گئیں۔ جیسے ایک ماں کے
رحم سے دو بچے اکٹھے پیدا ہوں۔ ایک ہی باپ کے دو لڑکے ہوں۔ جہاں تک ہمیں
علم ہے۔ کتب لغت کے اصول یہی ہیں۔ اس موقع پر دیگر مختصر کتابیں بھی ہیں۔
جو کلمات کی ایک خاص قسم سے مخصوص ہیں۔ اور بعض یا سارے ابواب کے اندر
پوری اور جامع ہیں۔ لیکن الفاظ لغوی کا حصر ان کے اندر بہت تھوڑا ہے۔ حالانکہ حصر
کی صورت ان کتابوں کے اندر ترکیبوں کی رو سے جیسے کہ تو نے دیکھا ہے۔ زیادہ
واضح ہے۔ منجملہ ان کتب کے جو لغت میں لکھی گئیں۔ علامہ زمخشری نے بھی مجاز
میں ایک کتاب لکھی ہے جس کے اندر اس نے ان تمام الفاظ اور مدلولات (جن
پر کوئی چیز آگاہی دے۔ جیسے دھواں دال ہے اور آگ مدلول) جس کو عرب والوں
نے مجازی طور پر جائز رکھا ہے۔ کو بیان کیا ہے۔ پھر چونکہ عرب کی عادت تھی کہ عام معنوں
کے [illegible] معنوں میں خاص الفاظ کا استعمال
کرتے۔ اس لئے اس نے وضع اور استعمال کے فرق کو اچھی طرح
بتا دیا۔ اور اس کو لغت کے فقہ (یعنی ایسے اصول جس سے اس کا تفقہ ہو سکے) کی
[illegible] کا ماخذ بہت مضبوط ہو۔ ضرورت پڑی۔ مثلاً ابیض کے لفظ کو [illegible]

عام میں اُس نے ہر ایک سفید چیز کے لئے وضع کیا۔ لیکن سفید گھوڑے کے لئے لفظ اشہب سفید (برص زدہ) آدمی کے لئے اَزْہَر۔ سفید بکری کے لئے املح خاص کر دیا۔ سو اگر ان مذکورہ کے لئے لفظ ابیض کا ہی استعمال کیا جاوے۔ تو زبان عرب کے خلاف اور خارج سمجھا جاویگا۔ امام ثعلبی نے اپنی تالیف کو اس طریق یعنی فقہ اللغت سے مخصوص کیا۔ اور اپنی کتاب مسمی بہ "فقہ لغت" کے اندر اس بات کو پورا کر دیا۔ لغوی آدمی کو اس کتاب کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ عرب کے استعمال کو اپنے اصلی مقام سے نہ پھیر دے کیونکہ موضوعات اوّلیہ کا جاننا ہی اس کو کافی نہیں ہو سکتا۔ جب تک عرب کا استعمال اس بارے میں نہ معلوم ہو۔ ادیب کو بھی نظم اور نثر میں اکثر اس کتاب کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ موضوعات لغویّہ کے مفردات اور مرکبات میں غلطی نہ کرے۔ اس قسم کی غلطی نحوی اعراب سے بھی زیادہ سخت اور بُری سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح بعض متاخرین میں سے ایک آدمی نے الفاظ مشترکہ یکجا جمع کر دیئے۔ اور گو ان کے اندر حصر کی ذمہ واری اٹھائی۔ لیکن کمال تک نہ پہنچا سکا۔ سو اکثر باتوں پر یہ تالیف بالاستیعاب لکھی ہے۔ رہی مختصر کتابیں جو اس خاص فن کے لئے مخصوص ہیں۔ اور جن میں متداول طور پر اور طالب علم کی یادداشت کی سہولیت کے لئے لغت کے کثیر الاستعمال الفاظ جمع کر دیئے گئے ہیں۔ سو وہ بہت ساری ہیں۔ جیسے ابن سکیتؔ کی کتاب الالفاظ۔ اور امام ثعلبؔ کی کتاب الفصیح وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے بعض میں لغت کے الفاظ بوجہ اس بات کے کہ مولفین کی نظروں میں طالب علم کی قوّت حفظ کے لئے وہ اہم و ضروری ہیں۔ اختلاف رہا ہے۔ ذو مروں سے تھوڑے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خالق اور علیم ہے اور اس کے سوا کوئی پروردگار نہیں۔

نوٹ

ؔ ابوبکر زبیدی سپین کا بڑا بھارا ماہر لغت و ادب تھا۔ قبیلہ زُبیہ جو عمرو بن معد یکرب کی شاخ ہے۔ سے متعلق تھا۔ خلیفہ ہشام اُندلسی کے لئے کتاب لکھی تھی۔

ہشام ۔ اُندلس میں جو خاندان بنی اُمیہ کا حکمران رہا۔ اس کا دسواں خلیفہ ہے باپ کا نام حکم۔ لقب موید باللہ۔ ۳۶۶ھ سے ۳۹۹ھ تک ۳۳ سال حکومت کی۔ اس نے سلطنت کا انتظام اپنے وزیر منصور کے سپرد کیا تھا۔ جس نے بادشاہ کو محلات میں نظر بند رکھا۔ اور خود اپنی کمال لیاقت اور تدبیر سے سلطنت کو چلایا ؛۔

جوہری ۔ امام اسمٰعیل بن حماد الجوہری الفارابی۔ علم لغت واصول اور اس کی تاریخ میں کمال پایہ رکھتا تھا۔ اس کی لغت کی کتاب سر تاج مانی گئی ہے ۳۸۲ھ میں وفات پائی ؛۔

علی بن مجاہد ۔ اُندلس میں دانیہ ایک صوبہ ہے۔ دور طوائف الملوکی میں اس علاقے کے اندر حکومت قائم ہوگئی تھی۔ شاہان دانیہ نے ۴۰۸ھ سے ۴۶۸ھ تک یعنے ۶۰ سال حکومت کی۔ کل دو بادشاہ بیٹھے۔ دوسرا یہی شخص تھا۔ اس نے ۲۸ سال بادشاہت کی۔ اس کا لقب اقبال الدولہ تھا۔ اس سے زراغہ کے خاندان نے حکومت چھین لی ؛۔

ابو عبد اللہ محمد اوّل مستنصر بن یحییٰ ۔ ٹیونس کے خاندان حفصیہ کا دوسرا بادشاہ ہے۔ اس نے ۶۴۷ھ سے ۶۷۵ھ تک بادشاہی کی۔ اس خاندان نے کوئی تین سو سال تک حکومت کی۔ اور ۲۲ بادشاہ ہوئے۔ اس کے علاوہ مستنصر نام کے پانچ بادشاہ اسی خاندان میں اور بھی ہوئے ؛۔

ثعالبی ۔ امام منصور عبد الملک بن محمد ثعالبی نیشاپوری۔ بڑا ادیب اور صاحب علم لغت گزرا ہے۔ بشمار کتب کا مصنف ہے۔ مثلاً یتیمۃ الدھر ۔ کتاب الامثال ۔ مراۃ المروات ۔ کتاب الکنایہ والاعجاز وغیرہ۔ ۴۲۹ھ میں وفات پائی ؛۔

ابن سکیت ۔ ابو یعقوب اصلی نام ۔ امام لغت ۔ کوفہ کے سکول کا شاگرد اس کی اعلیٰ تصنیف اصلاح المنطق ہے ۔ نیز اور طرفہ کے دیوانوں

کی طرح تھی۔ یہ حضرت علی کے خاندان سے ظاہری طرف داری تھی۔ جس کے باعث سنہ ۲۴۷ھ میں خلیفہ متوکل کے ترکی گارڈ نے اُسے بے رحمی سے کچل ڈالا۔

ثعلب ۔ ابوالعباس بن یحییٰ امام۔ شاگرد ابن اعرابی کا۔ بڑا محدث اور نحوی۔ اشعار عرب کا عمدہ راوی۔ اس کی کتاب فصیح جس کے اندر بہت کم الفاظ کی صورتیں۔ اور ان کے معنے ہیں بہت مشہور ہے کوفہ والوں کا استاد نامور سنہ ۲۹۱ھ میں فوت ہوا۔

علم بیان

یہ علم عربیت اور لغت کے بعد ملت اسلام کے اندر پیدا ہوا۔ یہ بھی علوم لسان ہی میں سے ہے۔ کیونکہ یہ الفاظ اور اس چیز کے جس کو الفاظ مفید ہوں متعلق ہے اس سے مقصود وہ معانی ہیں۔ جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ جن امور سے متکلم سامع کو اپنے کلام کا مقصد سمجھاتا ہے۔ وہ یا تو تصور کرتا ہے ان مفردات کا جو منجملہ مسند و مسندالیہ کے ہیں۔ اور ان پر دلالت کرنے والے مفردات ہیں مثلاً اسم فعل۔ حرف۔ یا مسند کو مسندالیہ سے اور مختلف زمانوں کو ایک دوسرے سے امتیاز کرنا ہے۔ اور ان پر حرکات کے تغیر یعنی اعراب اور کلمات کے حروف مبنی (ظرف جار وغیرہ) کے ذریعہ سے دلالت ہوتی ہے۔ وہ تو سب فن نحو میں آجاتے ہیں۔ لیکن نحو میں ان امور و اتعیہ کا ذکر نہیں ہوتا۔ جن سے ایک دوسری سے خطاب کرنیوالے اور وہ جو حالات فعل کے مقتضی ہو۔ کے احوال کے دلالت کی احتیاج ہوتی ہے۔ یہ سب (کلام متکلم۔ و خطاب مخاطب) دلالت کے اسی واسطے محتاج ہیں۔ کہ اصلی فائدہ اور مقصود اسی میں ہے۔ جب متکلم کو یہ فائدہ حاصل ہو گیا۔ تو وہ کلام میں اپنی انتہائے مراد کو پہنچ گیا۔ اور جب کہ اس پر کوئی فائدہ بھی مرتب نہ ہوا تو وہ کلام عرب کی جنس سے بھی نہ ہوا۔ کیونکہ عرب کا کلام نہایت وسیع ہے۔ اور ہر موقعہ کے لئے ان کے نزدیک ایک خاص کلام

ہے۔ جو بوجہ کمال ظہور و وضاحت کے اسی موقع سے مخصوص ہوتا ہے۔ کیا تم اُن کا یہ
قول نہیں دیکھتا۔ کہ زیدٌ جاءَنی (زید میرے پاس آیا) جو بالکل مخالف ہے
جاءَنی زیدٌ کے۔ اس لئے کہ ان دونو جملوں میں سے پہلا جملہ متکلم کے نزدیک اہم ہے
سو جس نے جاءَنی زیدٌ کہا۔ تو اُس نے اس بات کا افادہ کیا۔ کہ اس کا زیادہ اہتمام
آنے پر ہے۔ بعدہٗ شخصیت پر جو مسند الیہ ہے۔ اور جس نے زیدٌ جاءَنی کہا۔ تو
یہ سمجھایا۔ کہ اس کا زور مسند یعنی آنے کے عمل سے پہلے شخص پر ہے۔ اسی طرح
اجزائے جملہ مثلاً موصول مبہم۔ معرفہ کو مناسب مقام تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی
اسناد کی تاکید جملہ پر ہوتی ہے۔ مثلاً اُن کا کہنا۔ کہ زیدٌ قائمٌ (زید کھڑا
ہے) اور اِنَّ زیداً قائمٌ اور اِنَّ زیداً لقائمٌ۔ یہ سارے دلالت میں باہم مختلف
ہیں۔ اگرچہ اعراب کے رو سے برابر ہیں۔ کیونکہ پہلا تو جملہ تاکید سے خالی ہے
صرف خالی ذہن آدمی کو مفید ہے۔ (یعنی جس کو کچھ پتہ نہ ہو۔ کہ زید کس حالت
میں ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ قیام کی حالت میں ہے) دوسرا تاکیدی ہے
اور متردد آدمی کو مفید ہے (یعنے جس کو زید کے قیام میں تردد اور شک ہو)
اور تیسرا انکار کرنیوالے کی حالت ظاہر کرتا ہے (یعنے سرے سے زید کے قیام
کا انکار کرے۔ تو اس کو قائل کرنے کے لئے یہ جملہ بولا جاویگا) تو یہ سب ایک
دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اسی طرح یہ تم کہتے ہو۔ کہ جاءَنی الرجل (میرے
پاس وہ مرد آیا) پھر اس کی بجائے جاءَنی رجلٌ۔ اور یہ تب جبکہ حرف نکرہ کے
استعمال کرنے سے تمہارا مقصود اس شخص کی تعظیم ہے اور یہ کہ وہ اور آدمیوں
کی طرح نہیں ہے۔ پھر کبھی جملہ اسنادیہ (مسند و مسند الیہ والا) خبریہ بن جاتا ہے
یعنے وہ جملہ جسکے لئے پہلے سے کوئی امر خارج موجود ہو۔ اور کبھی انشائیہ بن جاتا ہے
یعنے وہ جملہ جس کے لئے کوئی امر خارج مثلاً طلب وغیرہ موجود نہ ہو۔ پھر کبھی دو جملوں
کے اندر حرف عطف ترک کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ دوسرے جملے کے واسطے اعراب
کا محل موجود نہ ہو۔ پس وہ بمنزلہ تابع مفرد کے۔ نعت، تاکید۔ اور بدل کی حالت
میں بلا عطف رہ جاویگا۔ یا یہ کہ حرف عطف لگا دیا جاوے جبکہ دوسرے جملے
کے لئے محل اعراب نہ ہو۔ پھر محل کلام اطناب (طوالت) اور ایجاز (اختصار) کو مقتضی

ہوتا ہے۔ تو کلام بھی اُن کے مطابق وارد ہوتا ہے۔ پھر کبھی لفظ پر دلالت کی جاتی ہے لیکن مراد اس کا ملزوم نہیں ہوتا بلکہ لازم جبکہ وہ لفظ مفرد ہو۔ مثلاً تو کہے کہ زید شیر ہے۔ تو اس سے تیری مراد اصلی شیر نہیں ہے۔ جس کا تو ناطق ہوا ہے۔ بلکہ تیری مراد اس شیر کی بہادری ہے جو اس کے لازم ہے۔ اور جس کا اسناد زید کی طرف کیا گیا ہے اس جیسی کلام کا نام استعارہ ہے۔ کبھی لفظ مرکب سے تیری مراد وہ چیز ہوتی ہے جو اس کے ملزوم پر دلالت کرتی ہے۔ جیسے تو کہے۔ زید کثیر خاکستر ہے۔ اس سے تیری مراد وہ چیز ہے۔ جو اس سے لازم آتی ہے۔ مثلاً سخاوت، اور مہمان نوازی۔ کیونکہ کثرتِ خاکستر انہی دو چیزوں سے پیدا ہوتی ہے۔ سو یہ کثرتِ راد ان دو نو صفات پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ تمام مثالیں مفرد اور مرکب الفاظ کی دلالت پر زیادہ دلالت کرتی ہیں۔ یہ تمام ایسے واقعات کے لئے حالات اور ہیئتیں ہیں۔ جن پر دلالت کرنے کے لئے الفاظ کے حالات اور ہیئتیں مقرر کئے گئے ہیں۔ ان حالات کلام کی دلالت بحسب مقتضائے مقام ہوتی ہے۔ بس یہ علم جس کو بیان کہتے ہیں۔ انہی دلالات کی بحث پر مشتمل ہے۔ جو ہیئتوں، حالات اور مقامات کے لئے ہیں۔ اس کی تین قسمیں کردی گئی ہیں:-

پہلی قسم میں انہی ہیئتوں اور حالتوں کی بحث کیجاوے گی۔ جو ہر مقتضی کے حال کے موافق الفاظ سے مطابقت رکھتی ہیں۔ اُسے علم بلاغت کہتے ہیں۔ دوسری قسم میں دلالت لفظی از قبیل لازم و ملزوم یعنے استعارہ و کنایہ کا جیسے کہ ہم کہہ چکے ہیں۔ بیان ہے۔ اُسے علم بیان کہتے ہیں۔ علمائے فن نے ان دو کے ساتھ ایک اور قسم ملحق کردی ہے۔ یعنی کلام کی تزیین و تحسین کا خیال رکھنا کسی عمدہ آراستہ کرنے والے طریقہ سے۔ یا سجع کے ذریعہ سے جو اس کلام کو علیحدہ کردے۔ یا تجنیس سے جس کے الفاظ میں مشابہت ہو۔ یا ترصیع سے جو وزنوں کو قطع کرے۔ (ترصیع وہ کلام ہے جس میں تمام الفاظ علی الترتیب مساوی الوزن اور مساوی القافیہ ہوں) یا توریہ جس سے معنے مقصود کو ساتھ ایسے اشارے کے لیا جاوے جو بوجہ اشتراک لفظی فی مابین کے اس سے پوشیدہ ہو (جیسے سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں ہاتھ کے معنے قدرت لینا۔ قدرت اور ہاتھ میں اشتراک ہے کیونکہ قدرت نتیجہ ہے ہاتھ کا

قریب معنی کو چھوڑ کر بعید معنے لیا گیا) وغیرہ وغیرہ۔

ان علمائے فن کے نزدیک اس کا نام علم بدیع ہے۔ جو کوئی نئی بات نکالنے والے ہیں (متاخرین) ان کے نزدیک تیسرے علم یعنے بدیع کا نام بیان ہے، جو دوسری قسم کے علم کا نام ہے۔ اس لئے کہ متقدمین نے پہلے اسی علم میں بحث کی۔ پھر اس کے بعد باقی دو قسموں میں یکے بعد دیگرے گفتگو کی۔ اس فن میں پہلے جعفر بن یحییٰ (ایک بڑا ادیب تھا)۔ جاحظ اور قدامہ بن موسیٰ (ادیب۔ عالم شعر۔ و تاریخ عرب) وغیرہ نے کچھ رسالے غیر مکمل سے لکھے۔ زاں بعد آہستہ آہستہ مسائل فن کی تکمیل ہوتی رہی یہاں تک کہ سکاکی نے اس فن کا نچوڑ نکالا۔ اور اس کے مسائل کی چھان بین کی۔ اور اس کے ابواب کی اسی طریقہ سے ترتیب دی جس طرح ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں۔ اور نحو۔ تصریف اور بیان میں ایک کتاب مسمیٰ بہ کتاب المفتاح لکھی۔ تو کتاب کے اجزا میں سے اس فن کو ایک جزو قرار دیا۔ متاخرین نے اس کی کتاب سے اخذ کیا۔ اور اس سے امہات مسائل (اپنے بنیادی مسئلے) جو اس زمانے میں متداول ہیں۔ کا خلاصہ نکالا۔ جیسے کہ خود سکاکی نے اپنی کتاب تبیان کے اندر کیا تھا۔ ابن مالک نے کتاب المصباح کے اندر اور جلال الدین قزوینی نے کتاب الایضاح اور التلخیص میں۔ (اس کتاب کا خلاصہ لکھا) یہ اخیر کتاب تلخیص حجم میں ایضاح سے چھوٹی ہے۔ لیکن اس زمانے میں اہل مشرق کے نزدیک اس کی تشریح اور تعلیم دوسری کتابوں سے زیادہ ہے۔ اور بالجملہ اہل مشرق بہ نسبت اہل مغرب کے اس فن کو زیادہ قائم رکھنے والے ہیں سبب اس کا شاید یہ ہے۔ کہ علم بیان علوم لسانیہ میں کمالی (کمال کو پہنچانے والا) اور زائد از ضرورت ہے۔ اور علوم کمالیہ آباد اور تمدن والے مقامات میں پائے جاتے ہیں۔ مشرق مغرب کی نسبت آبادی اور تمدن میں زیادہ ہے۔ جیسے کہ ہم ذکر کر آئے ہیں۔ یا ہمیں یہ کہنا چاہیئے کہ یہ علم بیان عجم کی توجہ کا نتیجہ ہے۔ اور مشرق میں زیادہ تر انہی لوگوں کا ہے۔ چنانچہ تفسیر زمخشری اسی فن پہ مبنی ہے۔ اور اسی کی بنیاد ہے۔ مغرب میں اس [illegible] کی ایک قسم یعنی علم بدیع کا خاص رواج ہے۔ اور منجملہ علوم ادب شعری کے اسے سمجھا ہے۔ ان لوگوں نے اس فن بدیع میں کئی فروعات نکالی ہیں۔ اور خدا جدا ابواب [illegible] نوع در نوع چیزیں پیدا کی ہیں۔ اور یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نے زبان عرب

سے ان سب پر احاطہ کیا ہے۔ اس بات پر ان کو ان کے شدت حرص و دریافت
تزیین کلام نے برانگیختہ کیا۔ اور نیز اس امر نے کہ علم بدیع کا حصول آسان ہے۔ اور بلاغت
اور بیان بوجہ ان کی مثالوں کی باریکی اور معانی کی گہرائی کے مشکل سے حاصل ہوتے ہیں
بنا بریں وہ ان دونوں علموں سے کنارہ کش ہو گئے۔ اہل افریقہ میں سے جس
نے بدیع میں کوئی کتاب لکھی وہ ابن رشیق ہے۔ جس کی کتاب العمدہ (اس
فن میں) مشہور ہے۔ پھر افریقہ اور اندلس میں بہت سارے مؤلف اس کے طریقے پر چلے۔

جاننا چاہئے کہ اس فن بیان کا فائدہ اعجاز قرآن کا سمجھنا ہے۔ کیونکہ قرآن
کا اعجاز یہی ہے۔ کہ دلالت کلام ہر جگہ مقتضائے حال کے مطابق ہے۔ خواہ نطق
کی حالت میں ہو یا فہم کی صورت میں۔ اور باوجود اس کمال کے جن سے الفاظ
کی صفائی۔ عمدگی بندش اور حسن ترکیب مخصوص ہے۔ یہ کلام کے اعلے مراتب سے ہے۔
یہی وہ اعجاز ہے۔ کہ عقلیں اس کے ادراک سے قاصر ہیں۔ اس کے بعض کمالات
کا وہی شخص ادراک کر سکتا ہے۔ جسے عربی زبان کی مخالطت سے کچھ ذوق اور ملکہ
حاصل ہو۔ تاکہ اپنے ذوق کے مطابق اس کلام کے اعجاز کا کچھ حصہ سمجھ سکے۔ اسی
لئے عربوں کے ادراکات جنہوں نے اس کلام کو اس کے پہنچانے والے (یعنی) رسول
خدا سے سنا۔ اس بارے (درک اعجاز) میں بلند مرتبہ والے تھے۔ کیونکہ
کلام کے وہ شاہسوار اور ماہرین ہیں۔ ان کے پاس صحیح اور وافر ذوق موجود
ہے۔ اس فن کے جاننے کی زیادہ ضرورت مفسرین کو ہے۔

لیکن اگلے آدمیوں کی اکثر تفسیریں اس بات سے خالی رہیں۔ یہاں تک
کہ جار الله زمخشری ظاہر ہوا۔ جس نے علم تفسیر میں کتاب لکھی۔ اور آیات قرآن
کا تتبع اسی فن کے احکام کے ذریعہ سے کیا۔ بدیں طریق کہ اکثر دل کو اعجاز ثابت
کر دکھایا۔ اسی فضیلت میں وہ دوسری تمام تفسیروں سے منفرد ہے۔ مگر کاش
(وہ معتزلی نہ ہوتا اور) اہل بدعت کے عقائد کی اس میں تائید نہ کرتا جنکو
اس نے وجوہ بلاغت سے قرآن سے اقتباس کیا۔ اسی لئے اکثر اہل سنت
باوجود مؤلف کی بلاغت میں کمال استعداد کے اس کی تفسیر سے کنارہ کرتے ہیں
البتہ اگر کسی نے عقائد سنت مستحکم کر لئے ہوں۔ اور اس فن بیان کو بھی کچھ اس فن

جانتا ہو کہ اس کی جنس کلام کی تردید کر سکے۔ یا اتنا ہی جان لے۔ کہ یہ یہ جگہ بدعت ہے
جس سے اعراض کرے۔ جو اس کے عقائد کو مضر نہ ہو۔ تو ایسا شخص اس کتاب
کے دیکھنے سے اکثر حصۂ اعجاز کا حاصل کر سکتا ہے۔ اور ساتھ ہی بدعت و ہوائے
بد سے سلامت رہ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے۔ سیدھے راستے کی طرف
ہدایت دیتا ہے:۔

نوٹ

۵۱۔ جاحظ۔ ابو عثمان۔ عمرو بن بحر الجاحظ بصری۔ امام اہل ادب۔ بصرہ کا رہنے
والا۔ آزاد مذہب تھا۔ اسی کے نام سے معتزلیوں کا ایک فرقہ بنام جاحظیہ جاری
ہوا۔ قصہ کہانیوں اور دلچسپ باتوں کے بارے میں اس نے بیشمار کتابیں
لکھیں جن میں کتاب الحیوان مشہور ہے۔ بلاغت کے اندر کتاب البیان
والتبیین ہے۔ سنہ وفات ۲۵۵ ھجری ہے:۔

۵۲۔ سکاکی۔ امام سراج الدین ابو یعقوب یوسف بن ابو بکر۔ السکاکی۔
مسکن خوارزم۔ صاحب مفتاح العلوم۔ جو متداول کتاب ہے۔ بلاغت میں
بڑا پایہ رکھتا تھا۔ سنہ ۶۲۶ھ میں وفات پائی:۔

۵۳۔ ابن رشیق۔ یہ شخص شعرائے قدیم کی شاعری کو ناپسند کرتا تھا۔ اور جدید
شاعری پر زور دیتا تھا۔ علم و فضل میں بے نظیر تھا۔ علم فقہ میں بھی کتابیں لکھیں
کتاب عمدہ میں شاعری کے متعلق تمام باتیں لکھی ہیں۔ اور بہت سے اصول
و قواعد اور ہدایات بالاستیعاب بیان کئے ہیں۔ ابن خلدون نے مقدمہ
میں کئی موقع اس کی تعریف کی ہے۔ مصر کے رہنے والا تھا۔ سنہ ۱۰۶ھ
میں وفات پائی:۔

علم ادب

یہ علم ایسا (وسیع) ہے۔ کہ اس کے عوارض کے [illegible]

نہیں جسکو بطور نظیر قائم کیا جا سکے۔ (یعنے اس کے موضوع کا یقین بھی مشکل ہے) اہل زبان کے
نزدیک اس علم کا مقصود اور ثمرہ یہ ہے۔ کہ نظم اور نثر دونو فنوں کا خاص عرب کے اسلوب
اور طریقے پر عمدہ لکھنا اور کہنا آجاوے۔ اسی لئے علمائے ادب عرب کا ایسا کلام جمع کرتے
ہیں جس سے عمدہ ملکہ حاصل ہوجاوے۔ مثلاً شعر بلند رتبے کے لیتے ہیں۔ سجع جید
اور عمدہ۔ اور بیچ بیچ میں نحو و لغت کے مسائل متفرق طور پر اس طرح لکھتے ہیں۔ کہ دیکھنے
والے کو عربی زبان کے بڑے بڑے اصول و قواعد معلوم ہوجاتے ہیں۔ ایام (لڑائیاں)
عرب کا بھی ساتھ ہی ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ عرب کے کلام میں جو ان کا ذکر آجاوے (یعنے
تلمیحات) وہ سمجھ لی جائیں۔ اسی طریق پر مشہور النساب اور عام اخبار میں سے جو اہم
ہوتے ہیں۔ اون کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ مقصود اس جمع کلام سے یہ ہے۔ کہ کلام عرب
کے اسلوب اور وجوہ بلاغت جب کسی دیکھنے والے کے سامنے آجاویں۔ تو اُس
پر پوشیدہ نہ ہوں۔ کیونکہ کلام کے حفظ کرنے کا ملکہ اس کے سمجھنے کے بعد ہوا
کرتا ہے۔ سو جس کلام پر ناظر کا فہم منحصر ہے۔ اس کو مقدم سمجھنے کی حاجت پڑتی ہے
اب جو ادیبوں نے اس علم کی تعریف کرنی چاہی۔ تو کہا۔ کہ ادب کہتے ہیں عرب کے
اشعار و اخبار کے حفظ کرنے اور ہر ایک علم کے کچھ نہ کچھ اخذ کرنے کو علم سے انکی مراد یا تو
علم اللسان ہیں۔ یا علوم شرعیہ جس عبارت میں کہ وہ موجود ہیں۔ یعنے قرآن و حدیث
یہ اس لئے کہ کلام عرب میں ان کے سوا اور کسی کو دخل نہیں۔ سوائے اسکے کہ متاخرین
نے توریہ وغیرہ جیسی صنائع و بدائع مع اسناد اصطلاحات علمیہ یاد کرنے کو بھی ادب
کی تعریف میں داخل کیا ہے۔ تو اس صورت میں اس فن والے اصطلاحات علمیہ کا جاننا
ضروری ہے۔ تاکہ ان کے فہم پر قادر ہو سکے۔ ہم نے اپنے بزرگوں اور استادوں سے
مجالس تعلیم کے اندر سنا ہے۔ کہ ادب کی اصل اصول اور ارکان کی چار کتابیں
ہیں۔ ابن قتیبہ (اس کا ذکر کتاب میں آچکا) کی ادب الکاتب۔ مبرد کی کتاب الکامل۔ جاحظ
کی کتاب البیان والتبیین۔ ابو علی قالی بغدادی کی کتاب النوادر۔ ان چاروں کے سوا جو اور
کتابیں ہیں۔ وہ ان کے تابع اور ان کی فرع ہیں۔ متاخرین کی کتابیں بھی ادب میں بہت
ہیں۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں علم غنا بھی ادب کا ایک جز تھا۔ کیونکہ غنا شعر کے تابع
ہے۔ اور اس کو خوش آوازی سے بیان کرتے ہیں۔ خلافت عباسیہ میں بڑے بڑے

کاتب اور فاضل اسالیب شعر اور اس کے فنون کو حاصل کرنے کے حرص کی خاطر اس غنا میں مہارت پیدا کرتے تھے۔ اور اس علم غنا سے اُن کی عدالت اور مروت میں کوئی جرح قدح نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ قاضی ابو الفرج اصفہانی نے (باوجود اپنے فضل و کمال کے) کتاب الاغانی (یعنے راگوں کے بارے میں) لکھی ہے۔ جس میں عرب کے اشعار و اخبار انساب لڑائیوں اور سلطنتوں کے حالات جمع کئے ہیں۔ اور اس کی بنیاد سو راگنیاں ہیں۔ جن کو مغنیوں نے ہارون رشید کے لئے انتخاب کیا تھا۔ ان تمام کو مولف نے بالاستیعاب اور بالاستیفا (یعنے جامع اور پورے طور پر) کہہ دیا ہے۔ اور مجھے اپنی جان کی قسم ہے۔ کہ یہ کتاب واقعی عرب کا دیوان ہے۔ جو اُن مختلف خوبیوں کا جامع ہے۔ جو اُن سے پہلے ہر ایک فن مثلاً فن شعر۔ فن تاریخ۔ غنا وغیرہ میں گزر چکی ہیں۔ اور جہانتک ہمیں علم ہے۔ اس خصوصیت میں کوئی ادب کی کتاب اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ ادیب کی ترقی اور واقفیت کی یہ غایت ہے۔ اور کیوں نہ ہو
اب ہم اجمالی طور پر اس چیز کی جس کی بابت ہم کلام کر چکے ہیں۔ یعنے علوم لسانیہ کی تحقیق کی طرف رجوع کرتے ہیں:۔ اور اللہ تعالیٰ راستی کی طرف رستہ دکھاتا ہے:

نوٹ

ل۱: مبرد۔ ابو العباس بن محمد ازدی۔ امام سکول بصرہ۔ بڑا مشہور نحوی ہے۔ زجاج کا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ استاد ہے۔ کتاب الکامل اس کی شہرہ آفاق ہے۔ مسکن بغداد ہے۔ سن وفات ۲۸۶ھ:۔

ل۲۔ ابو علی قالی۔ جن دنوں سپین میں بنی اُمیہ کی خاندان کی حکومت تھی۔ ان دنوں میں علم و فضل کا زور رہتا۔ قرطبہ کی یونیورسٹی مشہور ہے۔ یہ شخص جو بغداد کا رہنے والا تھا۔ وہاں کا یہ دفینہ تھا۔ اور عربوں کی تاریخ اشعار و امثال کا سبق دیا کرتا تھا۔ جو اس کی کتاب امالی میں موجود ہیں۔ بڑا ادیب گزرا ہے:۔

ل۳۔ ابو الفرج اصفہانی۔ اس کی پیدائش قبیلہ قریش سے تھی۔ اور بنی امیہ

کے آخری بادشاہ مروان کی اولاد سے تھا۔ بغداد میں آکر علم سیکھا۔ اخیر
میں معزالدولہ کے وزیر مہلبی کے ہاں رہا۔ ہارون رشید کیلئے طریہ کتاب
الاغانی لکھی۔ لیکن اپنی طرف سے دو سَو راگنیوں کے علاوہ اور بھی زائد
کیئے۔ انہی کے ضمن میں وہ تمام مغنی اور شاعر اور دیگر حالات اور واقعات
کا ذکر کرتا ہے۔ اور بھی چند چھوٹی کتابیں لکھیں۔ لیکن یہ تمام کو
مات کئے ہوئے ہیں۔ بڑی ضخیم کتاب ہے۔ لمبی ایک جلدوں میں ہے

فصل (۳۸)

اس بارے میں کہ زبان ایک ملکۂ صناعیہ ہے

جاننا چاہیئے۔ کہ ملکۂ لغت عام صنعتوں کے مشابہ ہے۔ اگر یہ کامل ہوتا ہے
تو بھی عبارت میں معانی (مافی الضمیر) کو ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر ناقص ہوتا ہے
تو عبارت بھی ناقص ہوتی ہے۔ یہ ملکۂ لسانی مفردات لغوی میں غور کرنے سے حاصل
نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا حصول تراکیب کلام میں غور کرنے سے ہوتا ہے۔ سو جب یہ
اتنا کامل ہو جاوے۔ کہ متکلم مفردات سے کلام ترکیب دیکر اپنا مقصود مقتضیٔ حال
کے مطابق ظاہر کر دے۔ اور اس تالیف اور ترکیب کی رعایت ہو سکے جو مطابق
کلام کے ہے۔ تو اس وقت وہ اپنی غایت کو پہنچ گیا۔ یعنے سامع کو اپنا مقصود ظاہر
کرنا۔ اور یہی معنی ہے بلاغت کا۔ اور ملکۂ تکرار (دہرانا) فعل سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ
اول فعل ترقع ہوتا ہے۔ اور اس سے نفس پر ایک اثر پڑتا ہے۔ پھر جو اس کا تکرار ہو
تو حال بن جاتا ہے۔ یعنے ایسا اثر گہرا اور قوی نہیں ہوتا۔ پھر تکرار اور ہوتا ہے
تو وہ ملکہ بن جاتا ہے۔ یعنے ایک گہرا اثر۔ چونکہ عربوں میں لغت عربی کا ملکہ موجود ہے
اس لئے ان میں کا متکلم اپنی قوم کی کلام اور ان کے خطاب کرنے کے طریقوں اور ان
کے مقاصد کی تعبیرِ کیفیت کو ایسا سنتا ہے۔ جیسے کہ بچہ مفردات کو ان کے معانی میں
استعمال ہوتا سنتا ہے۔ تو پہلے انکو سیکھ لیتا ہے۔ پھر اس کے بعد ترکیبوں کو سنتا

ہے۔ تو اُنکو لے لیتا ہے۔ پھر ہر ایک لحظہ وہ اس قسم کی نئی چیز سنتے رہتے ہیں۔ اور ہر ایک متکلم اور اس کے استعمال کیوجہ سے تکرار ہوتا رہتا ہے۔ یہانتک کہ یہ ملکہ ایک صفت راسخ بن جاتی ہے۔ اور ایسا ہو جاتا ہے۔ جس طرح اُن میں سے کسی ایک کا۔ اسی طریق پر زبانیں ایک نسل سے دوسری نسل میں پہنچتی رہتی ہیں۔ اور چھوٹے بچے اور عجمی اُسے سیکھتے جاتے ہیں۔ اور یہی مطلب ہے اس عام مقولہ کا۔ کہ عربوں کیلئے زبان طبعی طور پر ہے۔ یعنے پہلے ملکہ سے۔ جسکو انہوں نے حاصل کیا۔ اور اُن کے سوا دوسروں سے حاصل نہ کیا :-

جب عربی زبان کا ملکہ عجمیوں کے خلط ملط ہونے کے ضرر کیوجہ سے فساد پذیر ہوگیا۔ اور فساد کا سبب یہ تھا۔ کہ ہر ایک قوم میں سے جو پیدا ہوا اُس نے مقصود کو اظہار کرنے کے وقت ان کیفیات کے علاوہ جو عرب کے واسطے مخصوص تھیں دیگر کیفیات سنیں۔ تو وہ بھی انہی کیفیات سے بوجہ اُن کے عربوں سے زیادہ خلط ملط ہونیکے اپنے مافی الضمیر کو تعبیر کیا کرتا تھا۔ نیز کیفیات عرب بھی سنتا تھا۔ تو اس لئے اس پر حالت مشتبہ بن گئی۔ کبھی یہاں سے اخذ کیا۔ اور کبھی وہاں سے۔ سو ایک نیا ملکہ پیدا ہوگیا۔ جو پہلے سے ناقص تھا۔ یہی مطلب ہے زبان عربی کے بگڑنے کا۔ اسی لئے قریش کی زبان تمام عربی زبانوں سے زیادہ فصیح اور خالص رہی۔ کیونکہ وہ بلاد عجم سے ہر ایک جہت سے دور تھے۔ یہی حال ان قوموں کا رہا جو قریش کے پاس رہتی تھیں۔ (اور عجمیوں سے دور) مثلاً ثقیف ہذیل[۱]۔ خزاعہ[۲]۔ بنی کنانہ[۳]۔ بنی غطفان[۴]۔ بنی اسد[۵]۔ بنی تمیم[۶]۔ باقی قبائل جو ان قریش سے دور تھے۔ مثلاً ربیعہ[۷]۔ لخم[۸]۔ جذام[۹]۔ غسان[۱۰]۔ ایاد[۱۱]۔ قضاعہ[۱۲] اور عرب الیمن۔ اور فارس و روم و حبش کے موقعوں کے پاس پاس رہتے تھے۔ تو ان کی زبان بوجہ عجمیوں کی مخالطت کے کامل ملکہ والی نہ رہی۔ فن عربیت والوں کے نزدیک کسی قوم کی زبان کی درستی اور خرابی کی حجت پکڑنا اس نسبت سے ہے۔ جس سے وہ قریش کے نزدیک یا دور ہے۔

اللہ پاک کو زیادہ علم ہے۔ اور وہی توفیق دیتا ہے :

نوٹ :- ان تمام قبیلوں کا ذکر ایک نقشہ کی صورت میں کسی جگہ کیا جائیگا :

انتخاب از کتاب الشعر و الشعرا مصنفہ ابن قتیبہ

نوٹ

ابن قتیبہ ۔ اصلی نام ابو محمد عبد اللہ بن قتیبہ ۔ دنیاور کا رہنے والا ۔ زیادہ سکن مصر میں رہا ۔ شروع میں دنیاور کے قاضی رہے ۔ بعد از ان بغداد میں زندگی گزاری علم ادب ۔ حدیث ۔ نحو ۔ تاریخ میں سب کے استاد مانے گئے ہیں ۔ بہت ہی تصانیف والے ہیں ۔ از انجملہ کتاب المعارف ۔ ادب الکاتب جس کا ذکر پہلے آچکا ہے ۔ عیون الاخبار ۔ اور کتاب الشعر و الشعرا جہاں سے یہ چار شعرا لئے گئے ہیں ۔ اس کتاب میں کوئی ڈیڑھ سو سے زائد جاہلی اور اسلامی شاعر ہیں ۔ شروع میں شعر کے حسن و عیوب کے بارے میں ایک عمدہ دیباچہ ہے ۔ بڑے اعلیٰ پایہ کی کتاب ہے ۔ ۲۷۶ھ میں وفات پائی ۔

---

(۱) زُہیر بن ابو سُلمٰی

اصلی نام زہیر بن ربیعہ (کنیت ابو سُلمٰی زہیر کی بہن اور ربیعہ کی لڑکی تھی) ابن قرط ۔ لوگ تو اس کو بنی مزینہ (مزینہ برادر تمیم از قبیلہ مُضر) کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ لیکن اس کا نسب قبیلہ غطفان (ابن قیس عیلان بن مضر ۔ مطلب یہ کہ مضر جو عرب کا بڑا بھارا قبیلہ ہے ۔ اس کی ایک اولاد سے تو مزینہ نکلتا ہے ۔ اور دوسرے سے غطفان) میں جا ملتا ہے ۔ ان لوگوں کے پاس صرف کعب ابن زہیر (اس کا مفصل حال آئندہ آئیگا) کا ایک ہی شعر ہے ۔ جس کے رو سے وہ اُسے قبیلہ مزینہ کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ وہ شعر یہ ہے ؎

جہاں کہیں میں رہوں ۔ ان لوگوں کی [illegible] کی وجہ سے ہے [illegible] میں قبیلہ مزینہ کے لوگوں سے ہوں ۔ جو بزرگی اور سخاوت سے متصف ہیں :-

کہا گیا ہے۔ کہ جاہلیت (۵۰۰ء سے ۶۲۲ء = ۱۲۰ سال) کے عالی پایہ کے شعرا میں سے
کسی کی شاعری اس کے لڑکے تک نہیں پہنچی۔ جیسے کہ زہیر کی اس کے بیٹے کعب تک۔ اور
اسلام میں جیسے جریرؔ کی اس کے بیٹے عکرمہ تک۔ زہیر اوس بن حجر (زہیر کا سوتیلا باپ
تھا۔ اور حطیئہ کا راوی تھا۔ جاہلیت کے زمانے کا بڑا شاعر تھا۔ نابغہ اور زہیر نے
آکر اس کی ترقی کو مات کر دیا۔ مکارم اخلاق کے وصف بیان کرنے۔ اور حمر و سلاح۔ قوس
کی بڑی اعلےٰ تعریف کر سکتا تھا۔ دقیق معانی اور ضرب المثل بیان کرنے میں سب سے بڑھ
گیا ہے) کا راوی تھا۔ (یہ روایت شعر کا عہدہ تھا۔ جس کے رو سے راوی قوم کے حالات
وغیرہ شاعر کو بیان کیا کرتا تھا) حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت کی گئی ہے۔ کہ انہوں
نے (شعرا یا اُنکی قوم والوں سے) فرمایا۔ کہ مجھے اپنے شعرا میں سب سے اعلےٰ شاعر کا کچھ
کلام سناؤ۔ تو اونہوں نے کہا۔ وہ کون ہے۔ فرمایا۔ زہیر۔ کہا کہ وہ بھلا ایسا کیسے
بن گیا۔ فرمایا۔ اس لئے کہ وہ اپنی کلام کے اندر دوسروں کی کلام داخل نہیں کرتا تھا۔ نہ
کوئی غیر مستعمل اور مہمل الفاظ لکھتا۔ اور نہ آدمیوں کی ایسی مدح کرتا جس کے وہ مستحق نہ ہوں"
وہی اس کلام کے کہنے والا ہے۔ (ہرم بن سنان کی تعریف کرتا ہے) ص

(۱) جس وقت قیس بن عیلان (مضر کی اولاد سے تھا غطفان کا باپ) کا قبیلہ
کسی انتہائے کمال و بعد کے لئے سبقت ڈھونڈے۔ تو بھلا کون ہے۔ جو اس یہ
سبقت لیجاوے تاکہ سردار بنے +

(۲) تو نے ہی اُن کی طرف سبقت کی۔ بدیں حال کہ تو خندان
رو اور میدان جنگ میں پورا جلوہ گر ہونے والا تھا۔ اور غائیتوں کی طرف بڑھنے
والا۔ اور پیچھے نہ رہنے والا۔ (یا یہ کہ تو نے اُن کے پاس اُن صفتوں والی چیز بھیجی۔ مثلاً
گھوڑا یا تیر وغیرہ) بجائے غیر مُخلّد کے میلد (جو مترادف ہے غیر مُخلّد کا) کی روایت بھی ہے
اور اس جگہ مُخلّد کے معنے پیچھے دیر کرنیوالا۔ (از خلود۔ یعنے پیچھے ہمیشہ رہنا)

(۳) اگر حمد و ستائش (کسی کے کارنامہائے بزرگی کی) لوگوں کو ہمیشہ کے لئے
باقی رکھتی۔ تب تو نہ مرتا۔ لیکن انسان کی حمد تو اس کو ہمیشہ کیلئے زندہ رکھنے والی نہیں
ہے +

قدامہ بن موسیٰ (جس کا ذکر پہلے آچکا ہے) شعر کی بڑی سمجھ رکھتا تھا۔ اور زہیر

کو تمام پر مقدم کیا کرتا تھا۔ زہیر کا یہ کلام جید اور اعلےٰ ہے۔ (جس میں ہرم بن سنان کی مدح کرتا ہے)

(۱) وہ جو خیر و برکت چاہنے والے ہیں۔ اور سائل لوگ۔ انہوں نے ہَرم بن سنان کے دروازوں تک کئی رستے بنائے ہیں۔ ایہ شخص بھی حارث بن عوف کے زہیر کا خاص ممدوح ہے۔ بنی عبس اور ذُبیان کے درمیان جو لڑائی چالیس سال تک زمانۂ جاہلیت کے اندر ہوتی رہی۔ اُس تصفیہ کرانیوالے یہی وہ شخص تھے۔ بڑے سخی دل اور حب الوطن تھے

(۲) جو کوئی آج ہرم کو جس حالت میں ملے۔ تو اُس میں سخاوت و جوانمردی کے اخلاق پائیگا۔ عکرمہ بن جریر کہتا ہے۔ کہ میں نے اپنے باپ سے کہا۔ کہ لوگوں سے زیادہ شاعر کون ہے۔ اُس نے کہا۔ ایا جاہلیت کے اندر۔ یا اسلام میں۔ میں نے کہا اسلام میں۔ تو کہا زہیر ہے۔ پھر میں نے کہا۔ اچھا اسلام میں۔ تو کہا۔ کہ فرزدق۔ میں نے کہا بھلا اخطل کیسا ہے۔ کہا یہ بادشاہوں کی نعت کو عمدہ طور سے بیان کرتا ہے۔ اور شراب کی صفت درستی سے کرتا ہے۔ میں نے باپ سے کہا۔ کہ بھلا آپ۔ کہا۔ کہ میں نے تو شعر کو اونٹ کیطرح ذبح کیا۔ (یعنے کوئی اعلےٰ شاعر نہیں ہوں۔ اِن تینوں اسلامی شاعروں کا ذکر اس کے اخیر میں آئیگا)

عبدالملک بن مروان (بنی اُمیہ کا پانچواں خلیفہ ہے ۶۵ھ سے ۸۶ھ تک خلافت کی۔ بڑا صاحب تدبیر و لیاقت تھا۔ عبداللہ بن زبیر سے لڑائیاں کیں۔ اس کا مفصل حال کتاب الفخری کے شروع میں آئیگا) نے شعرا کے ایک گروہ سے کہا۔ کہ وہ تمام ابیات سے زیادہ مدح کرنیوالا کونسا بیت ہے۔ سب نے زہیر کے اس بیت پر اتفاق کیا۔ ۵ (حصن بن حذیفہ بن بدر کی مدح میں ہے) جب تو اس کے پاس آئیگا۔ تو اس کو ہلال کیطرح خنداں پیشانی دیکھیگا۔ گویا جو چیز تو اس سے مانگتا ہے۔ وہی اس کو دیتا ہے۔

خلف احمر بڑا ادیب اور شاعر۔ اسی شخص کے وجود سے اشعار عرب محفوظ رہ سکے۔ یہ انکے جمع کرنیوالا۔ اور راوی تھا۔ لیکن اس پر تہمت ہے۔ کہ اس نے بہت سارے جعلی شعر بنا کر ان کے اندر داخل کر لیئے تھے۔ بعد میں تو بہ بھی کی تھی (لامیہ شنفرا اسی کیطرف بعض منسوب کرتے ہیں۔ ۱۸۰ھ میں مرا) سے کہا گیا۔ زہیر بڑا شاعر ہے یا اس کا بیٹا کعب۔ کہا اگر زہیر کے چند بیت نہ ہوتے جنکی وجہ سے لوگوں نے

انگوٹھا مانا۔ تو میں کہہ دیتا۔ کہ کعب اس سے زیادہ ہے۔ اس کی مراد زہیر کے اُس قول سے ہی ہے (جن میں ہرم بن سنان کی مدح کہتا ہے)

(۱) مقام قنۃ الحجر (ایک پہاڑ ہے۔ موضع بھی ہے) میں کس کی بستیاں ہیں۔ جو کئی سالوں اور زمانوں سے ویران اور خالی پڑی ہیں۔

(۲) البتہ تو شیر سے زیادہ بہادر ہے۔ جبکہ لڑائی کے لئے آواز دی جاوے اور مقام جنگ خوف و خطر سے پر ہو۔ (ہو اشجع من اسامہ ضرب المثل ہے)

(۳) تو جس چیز کو بنائے۔ اُس کو (اصلاح کی خاطر) توڑ بھی سکتا ہے۔ حالانکہ کئی لوگ ایسے ہیں۔ جو بنا تو سکتے ہیں۔ لیکن توڑ نہیں سکتے۔

(۴) اگر تو انسان کے سوا کوئی اور چیز ہوتا۔ تو لیلۃ القدر والا چاند ہوتا جو منور کرتا ہے۔

زہیر کبھی اپنے شعر میں الوہیت اور پاکدامنی بھی ظاہر کرتا تھا۔ اس کا ایک شعر (جو اس کے معلقہ میں ہے) اس کے ایمان بالبعث پر دلالت کرتا ہے۔ وہ یہ ہے

یا تو انسان کو (عذاب میں) آتاخیر مل جاویگی۔ سو وہ نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاویگا اور یوم حساب کے لئے ذخیرہ کے طور رکھ دیا جاویگا۔ یا (آخرت سے پہلے ہی اس دنیا میں) جلدی سے مل جاویگا۔ اور اس کا بدلہ لیا جاویگا۔

زہیر نے ایک ہی شعر میں کسی عورت کو تین اوصاف سے تشبیہ دی ہے کہا ہے۔

گاو ان وحشی اور سمندروں کے موتیوں نے اس سے مشابہت میں مقابلہ کیا اور ہرنوں نے بھی۔ پھر اس کی تشریح یوں کی۔

(۱) سو وہ جو ہار والی جگہ سے ذرا اوپر کو ہے۔ یعنی گردن۔ تو وہ اُس بھورے یا سرخ رنگ والی ہرنیوں جیسی ہے۔ جنکی چراگاہ ایک (بغیر مزاحمت) کھلا میدان ہے۔

(۲) دونو آنکھوں کی پتلیاں گاوِ وحشی جیسی ہیں۔ اور موتی جیسی ملاحت اور صفائی ہے۔

کسی راوی نے کہا۔ کہ اگر زہیر حضرت عمر بن خطاب کے اس خط کو دیکھتا۔ جو آپ نے ابو موسیٰ اشعری (بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں گورنر رہے

نگی ماتحتی میں اھواز کا علاقہ ۱۷ھ میں فتح ہوا۔ بعد ازاں اہل بصرہ کی شکایت پر حضرت عثمانؓ سے ہٹا دئیے گئے تھے۔ حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان جو لڑائی ہوئی اس کے اندر حکم مقرر کئے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کئی ایک خطوط بحالت گورنری انکو بھیجے۔ زیادہ تعلیم حقوق اللہ وحقوق العباد کی ہوتی تھی۔ کسی ایک خط میں یہ باتیں بھی ہونگی ۴۲ھ سن دفات) کو لکھا تھا۔ تو جو کچھ وہ کہہ چکا تھا۔ اس سے زیادہ نہ کہتا تھا ؎

حق کے فیصلہ کرنے کے تین طریقے ہیں۔ یمین یعنے قسم کھا لینی۔ یا نفار یعنے ایسے حاکم کے پاس مقدمہ لیجانا۔ جو اُسے دلائل سے فیصلہ کر دے۔ یا جلاء یعنی ایسی دلیل بین لانی جس سے حق ظاہر ہو جاوے۔ اور دعوے واضح۔ جو شعر اس کے بطور مثال کے استعمال ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں (ھرم کے باپ کی تعریف کرتا ہے)

کیا خطی نیزے (ساحل بحرین میں ایک مقام خط ہے۔ جہاں نیزے فروخت ہوتے ہیں) کو سوائے اس کی لکڑی کے۔ اور پودے کے کوئی اُگا سکتا ہے۔ اور کیا کھجوروں کے درخت سوا اپنی اصلی جگہوں کے کہیں گاڑے جا سکتے ہیں؟۔

یہ شعر بھی عمدہ ہے۔ (جس میں ھرم بن سنان کی کرتا ہے) ؎

(۲) جب وہ تیر چلاتے ہیں تو یہ انکو اس سے زخمی کرتا ہے۔ اور جب وہ زخمی کرتے ہیں۔ تو یہ انکو تلوار سے مارتا ہے۔ اور جب وہ مارتے ہیں۔ تو یہ گردن اتار ڈالتا ہے۔

اور اس کا یہ شعر بھی عمدہ ہے۔ (جس میں ھرم بن سنان کی مدح کرتا ہے) ؎

(۳) یہ ایسا سخی ہے۔ کہ بطور نیکی واحسان کے تجھے بخشش کریگا۔ اور کبھی کبھی (زیادہ مانگنے سے) ظلم کیا جاتا ہے۔ تو ظلم برداشت کر لیتا ہے (یعنی دے ڈالتا ہے)

اس خوبی سے زہیر تمام سے بڑھ گیا ہے۔ اور سوائے کثیر (بنی قضاعہ کے خاندان سے ہے۔ بنی امیہ کے عہد کا مشہور شاعر ہے۔ خاندان علوی کی حمایت میں شعر کہے ہیں۔ عمر بن عبد العزیز خلیفہ بنی امیہ اور اس کے باپ کے پاس اکثر جایا کرتا۔ عشاق عرب میں سے ہے۔ عزہ اس کی محبوبہ تھی۔ ۱۰۵ھ میں فوت ہوا) کے کسی نے اس کا مقابلہ نہیں کیا۔ کیونکہ یہ عبد العزیز بن مروان (عبد الملک بن مروان کا بھائی۔ اس کو خلافت نہیں

ٹی - ویسے بڑا زبردست آدمی تھا -) کی مدح میں کہتا ہے۔ ؎

(۱) میں ابن لیلیٰ عبد العزیز بن مروان (اُن کے خاندان میں کسی عورت کا نام لیلیٰ ہوگا۔ اس کے لڑکے عمر بن عبد العزیز بھی اسی نام سے مشہور ہیں) کو دیکھتا ہوں۔ کہ مالدار اور نادار آدمیوں کی طرف سے کئی ایک سوال (در بارہ طلب سخاوت) اس کے بھونس اور بے انتہا مال کو آ ملتے ہیں۔

(۲) ایسے سوالات کہ اگر اس کے پاس موجود ہوں۔ تو اُس کے ہاتھ اُنکی سخاوت کر دیتے ہیں۔ اور اگر اُنکی وجہ سے ظلم بھی کیا جاوے تو ظلم قبول کر لیتا ہے۔ معدم کے معنے قلیل المال :-

(اب ابن قتیبہ اپنے معلومات دربارہ سوانح عمری زہیر بتلاتا ہے)

یہ زہیر بن ابو سُلمیٰ ہے۔ ابو سلمیٰ کا نام ربیع بن رباح۔ مُضَر کے قبیلہ بنی مُزینہ کا۔ زہیر جاہلیت کے زمانے کا تھا۔ خود اس نے اسلام کو نہیں پایا۔ مگر اس کے ہر دو بیٹوں یعنے کعب و بجیر نے پایا۔ یہی بجیر نبی علیہ السلام کے پاس آکر مسلمان ہوا تھا۔ تو اُس کے بھائی کعب نے اس کو لکھا تھا۔ ؎

(۱) اے دو آدمیو (بطور محاورہ عرب۔ یا دو لو سے مراد ایک) میری طرف سے بجیر کو یہ خط پہنچا دو۔ کہ کیا تیرا اس بارے میں جو تو نے کہا (یعنے کلمۂ شہادت) پکا ارادہ ہے خدا تم پر رحم کرے۔

نوٹ :- بالخیف کی بجائے دوسری جگہ ویحلك آیا ہے۔ خیف : خوف

(۲) تو تو آل محمدؐ کے پاس پیالہ کلمۂ شہادت کا پلا دیا گیا ہے۔ سو مامون (حضور علیہ الصلوٰۃ۔ کیونکہ آپ امین اور مامون کے نام سے مشہور تھے) نے تجھے ایک پیالہ سے ایکدفعہ کیا۔ بلکہ دو دفعہ سیراب کر دیا۔

(۳) سو تو نے ہدایت کے اسباب (یعنے ہمارے دین آبائی) کی مخالفت کی۔ اور اُس شخص کی متابعت کر لی۔ تو ہلاک ہو۔ (لفظی معنی تو اپنے غیر کی ہلاکت جیسا ہلاک ہو) تجھے کیسی بے نفع چیز پر اس نے دلالت کی :-

اس کے یہ شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جا پہنچے۔ سو آپ نے اسکو وعید سنایا۔ اور اس کے خون کی نذر مانی۔ (یعنے حلال کر دیا) اس پر بجیر نے کعب کو

لکھا۔ یہ خبر دیتے ہوئے۔ کہ رسول اللہ صلعم نے (مکہ میں) اُن آدمیوں میں سے ایک آدمی قتل کرایا ہے جو آپکی ہجو کہتے تھے۔ اور یہ کہ اُن شعرا میں سے جو آپ کو (ہجو لکھنے سے) ایذا دیتے تھے سوائے ابن زبعری قبیلہ سہم (از قریش) والے اور ہبیرہ بن ابو وہب قبیلہ مخزوم (از قریش) والے کے۔ اور وہ بھی دو تو آپ سے دور بھاگ گئے ہیں۔ اب اگر تیرے دل میں کوئی حاجت ہو۔ تو آپ کے سامنے آکر پیش کر۔ کیونکہ آپ کسی ایسے آدمی کو جو تائب ہوکر آئے قتل نہیں کرتے۔ اور اگر تو یہ نہیں کرتا۔ تو اپنے آپ کو کسی جگہ لے جا۔ جب یہ خط اس کے پاس پہنچا۔ تو زمین باوجود کشادگی کے اُس پر تنگ ہوگئی۔ (یعنی سخت پریشان ہوا۔ قرآن شریف کا اقتباس ہے) اور جو دشمن لوگ اس کے سامنے حاضر تھے۔ انہوں نے بھی اُسے ڈرایا۔ اس پر اُس نے یہ قصیدہ لکھا جس کا پہلا مصرع یہ ہے۔ ؎

سعاد معشوقہ چلی گئی۔ اب تو میرا دل آجکل سخت مضطرب ہے۔ اسی قصیدہ کے

اندر یہ شعر کہا ؎۔

مجھے اطلاع ملی ہے۔ کہ رسول خدا نے مجھے وعید سنائی ہے۔ حالانکہ حضور کے پاس عفو کی امید کی جاتی ہے۔ ازاں بعد رسول اللہ صلعم کے پاس چلا آیا۔ اور اپنا ہاتھ حضور کے ہاتھ پر رکھدیا۔ اور اپنے شعر سنا سو آپ نے اس کی توبہ قبول کرکے اسکو معاف کردیا۔ اور چادر یمنی بھی پہنائی۔ جسکو معاویہ رضی اُمیّہ کا پہلا خلیفہ۔ ابوسفیان کا بیٹا سنہ ۴۱ھ سے سنہ ۶۰ھ تک خلافت کی۔ بڑا دانا۔ اور قابل آدمی تھا۔ اسلام کی بڑی خدمات کیں بیشمار علاقے فتح کئے۔ حضرت علیؓ سے اس کی لڑائیاں ہوئیں۔ بڑا جلیل القدر صحابی ہے۔ اہل تشیع کے نزدیک بہت بُرے مانے جاتے ہیں) نے بیس ہزار درم کے بدلے خرید لیا تھا۔ خلفائے اسلام کے پاس آجتک موجود ہے۔ کعب کا ایک بیٹا بھی تھا جس کو عُقبہ کہتے تھے۔ یہ شاعر تھا۔ اور لقب اس کا مضرب (جابے مار) تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہوئی۔ کہ اس نے قبیلہ بنی اسد امضر کے تیسرے لڑکے الیاس کی اولاد سے ہے) کی ایک عورت کی تشبیب لکھی تھی (تشبیب کہتے ہیں کسی عورت کی جوانی کی تعریف کرنی۔ اس کے ضمن میں اس کے حسن، عشق فراق وغیرہ کا حال بیان کرنا۔ شعرائے عرب کا ہر ایک قصیدہ کے اول میں تشبیب کہنے کا دستور تھا)۔ اس کے اندر یہ شعر کہا تھا۔ ؎

اس عورت کے اندر کوئی عیب نہیں۔ سوائے اس کے کہ تو پائیگا کہ اس عورت

نے اپنے ملاقات کرنیوالے عاشق پر سوار ہو کر اسکو اپنے نیچے دبالیا ہے۔ (فحش شعر ہے
کنایہ ہے جماع کرانے سے)

اس پر اُس عورت کے بھائیوں نے اس کو تلوار سے کئی ایک ضربیں لگائیں۔ پر
نہ ہی مرا۔ تو انہوں نے اُس سے خون بہا لے لیا۔ اس پر اس کا نام مضرب پڑ گیا عقبہ کا
بھی ایک لڑکا عوام ہوا۔ وہ بھی شاعر تھا۔ سو یہ پانچوں کے پانچوں بدین ترتیب شاعر ہیں۔
عوام بن عقبہ بن کعب۔ بن زہیر بن ابوسُلمیٰ۔ ابوسلمیٰ بھی خود شاعر تھا۔ وہ اپنے ماموں اسعد
قبیلہ مُزہ (از قریش) والے کے اور اسعد کے بیٹے کعب کے بارے میں یوں کہتا ہے جیسے
دراں حال کہ یہ ابوسلمیٰ اس اسعد کی ماں کو اٹھالے گیا تھا۔ اور اُن دونوں سے جدا کر دیا تھا۔
(۱) ضرور اسعد اور اس کے بیٹے کعب کیطرف سے میرے پاس عمدہ اور محبوب
اونٹ بھیجے جا دینگے۔

(۲) یہ دو نو آدمی اپنی قوم کی خالص چیزوں کو اس مزے سے کھاتے ہیں۔ جیسے
پرندہ حُباری (اردو میں تغدر کہتے ہیں۔ جو زرہ سنگوارہ) حزمانے کے شگوفہ یا غلاف
میوہ کو۔ حضرت عمر نے عبداللہ بن عباس (بڑے مشہور محدث ہیں۔ قرآن کی تفسیر کی ابتدا
انہی سے ہوئی ہے۔ حضرت علی کے زمانے میں بصرہ کے عامل رہے۔ بیشمار خدمات کیں
تفسیر عباسی اُنکی معروف ہے۔ ۶۸ھ میں فوت ہوئے) سے کہا۔ مجھے ایسے شاعر
کی کلام سنا۔ جو اپنے قافیوں اور شعروں میں کسی دوسرے کی کلام درج نہیں کرتا تھا
اور غیر معروف الفاظ نہیں لاتا تھا۔ تو انہوں نے پوچھا۔ کہ اے امیرالمومنین وہ کون ہے
آپ نے فرمایا۔ کہ زہیر۔ اس پر عبداللہ بن عباس (ساری رات) اس کی کلام سناتے
رہے۔ یہانتک کہ صبح نمودار ہوئی۔ زہیر حُطیئہ (شعرائے مُخضرمین سے ہے۔ یعنے
جاہلیت میں پیدا ہوا۔ اور اسلام کے آنے کے بعد مرا۔ ہجو گوئی میں بے نظیر تھا۔ زہیر کا
راوی تھا لقب اس کا جرول تھا) کا استاد تھا۔ حطیئہ سے اس کی بابت دریافت کیا گیا۔ تو کہا
میں نے اس جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ جو قافیوں اور شعروں کے مونڈھوں پر سوار ہو جاتا
اور اُنکو لگام سے پکڑ لے۔ (یعنے قادر الکلام تھا) جس طرح اختلاف معانی مثلاً مدح یا ذم
چاہے۔ پھر اُس کو کہا گیا۔ کہ زہیر کے بعد کون ہے۔ تو جواب دیا۔ کہ میں نہیں جانتا
سوائے اس کے کہ تو مجھے مت کہے ہاں اگر ہوا مجھے کہ اس حال میں کہ ایک ۔۔۔ پاؤں

دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا ہے۔ اور بلند آواز سے اشعار کی تلاش میں چیختا چلاتا ہوں۔ (مطلب یہ کہ اس کے بعد میں ہی شاعر ہوں۔ پاؤں رکھنا کنایہ ہے بے پروائی سے۔ یہ واقعہ سعید بن عاص کی مجلس میں پیش آیا تھا)

ابو عبیدہ (شاگرد ابو عمرو بن علا کا۔ بصرہ کا نحوی۔ فرقہ شعوبیہ سے میلان رکھتا تھا قریباً ۲۰۰ علم نحو او لغت میں رسائل لکھے۔ مثالب اور ایام العرب جو کتاب الاغانی اور کامل ابن اثیر کی بنیاد ہے۔ اس کی تصنیفات ہیں۔ سن وفات ۲۱۳ھ)۔ نے کہا ہے۔ کہ جو شخص زہیر کو تمام شعرا پر فضیلت دیتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے۔ کہ زہیر ان سب سے قوم کی زیادہ مدح کرنیوالا اور شعر کی خوب بندش کرنیوالا ہے۔ کہتا ہے۔ کہ میں نے اپنے استاد ابو عمرو بن علا (بصرے کا امام نحو۔ علم لغت و تاریخ عرب کا ماہر۔ قرآن میں نہایت کامل۔ اخیر عمر میں سب کتابیں جلا کر عبادت میں لگ گیا تھا۔ ۱۵۷ھ میں وفات پائی) سے سنا۔ وہ کہتے تھے۔ کہ فرزدق زہیر کے مشابہ ہے۔ اور اصمعی (ابو عمرو بن علا کا شاگرد رشید۔ حیرت انگیز علمیت کا آدمی تھا۔ کثرتِ عبادت میں ممتاز تھا۔ ابو عبیدہ کیساتھ اکثر اس کا تنازع ہوا کرتا تھا ۲۱۷ھ میں فوت ہوا) کہتا تھا۔ کہ زہیر اور حطیئہ اور ان جیسے شاعر تو شعر کے خادم ہیں کیونکہ انہوں نے شعر کی خوب تنقیح نکالی۔ اور اس کے اندر اصحاب طبع (جو طبعی طور پر بغیر تدقیق کے شعر کہیں) کی پیروی نہ کی۔ یہی اصمعی کہتا ہے۔ کہ زہیر اپنے بڑے قصیدے کو حولی (سال والا۔ یعنے جو سال کی مشقت کے بعد تیار ہو) کہا کرتا تھا۔ اور اس کے جو عمدہ اور جید اشعار ہیں۔ وہ ھرم بن سنان کی مدح میں ہیں۔ جو بنی مرّہ کا تھا۔

حضرت عمرؓ نے ھرم کے ایک بیٹے سے کہا۔ کہ جو زہیر تمہاری تعریف میں کہا کرتا تھا۔ ذرا اس سے مجھے سنائیو۔ چنانچہ اس نے آپکو سنائے۔ آپ نے فرمایا۔ فی الواقع تمہاری تعریف بڑے احسن طریقے سے کیا کرتا تھا۔ تو کہنے لگا۔ اے امیر المومنین ہم بھی تو اس کو کافی عطیہ دیا کرتے تھے۔ اس پر آپ نے جواب دیا۔ کہ جو کچھ تم دیا کرتے تھے۔ وہ تو چلا گیا۔ اور وہ جو تمہیں دیتا تھا۔ باقی رہ۔ "منجملہ ان اشعار کے جو اس نے سب سے پہلے کہے ہیں۔ اور دوسروں سے نہیں لیا ہے۔

اس کا یہ شعر ہے جسمیں ھرم کی تعریف کرتا ہے (اس کا ترجمہ اور تشریح پہلے آچکی ہے)

آچکی ہے) اسے کثیرؔ نے لیا۔ ابن اثیر (موصل کا رہنے والا تھا۔ ابن خلکان کا ہمعصر۔ بڑا
محدث اور مؤرخ تھا۔ اس کی تاریخ کامل مسمی بہ کامل ۶۲۸ھ تک کے حالات بتاتی ہے
اور تصانیف اسد الغابہ اور جامع الاصول وغیرہ ہیں۔ سنہ ۶۳۰ھ میں وفات پائی) کہتا ہے
اپنی کتاب مرصع میں۔ کہ ابن لیلی جس کا یہاں نام لیا گیا ہے تو بہت ہیں۔ ازاں جملہ ایک
صحابی ہے۔ اور عبد العزیز بن مروان ہے نیز فرزدق) لیکن جو زیادہ اس نام سے مشہور
ہے وہ عمرو بن عبد العزیز ہے۔ (بنی امیہ کا آٹھواں خلیفہ ہے ۹۹ھ سے ۱۰۱ھ تک کل
۲½ سال خلافت کی۔ لیکن ایسی ایمانداری اور لیاقت کیساتھ کہ صفحۂ روزگار پر یادگار ہے۔
جتنی پہلے خرابیاں ہوا کرتی تھیں انہوں نے آکر مٹادیں۔ خدا و رسول کے مطابق خرچ کیا
حضرت علی رضؓ پر جو تبرا کیا جاتا تھا۔ اُسے موقوف کر دیا) کثیرؔ کہتا ہے۔ ؎

(۱) اے وہ شخص جو ابن لیلی جیسا جوان بننا چاہتا ہے۔ تیرے واسطے اس نے
رستے خالی کر دیئے ہیں۔

(۲) تین خصلتیں جن کا وہ جامع تھا۔ تیار کرلے۔ یا تو کسی سے گالی کھا۔ یا خود گالی
دے۔ یا بخل کر۔ (بظاہر مدح بھی ہے۔ کیونکہ عمر بن عبد العزیز لوگوں کے ظلم سہتا اور شاعروں
اور غیر مستحقوں کو مال دینے سے بخل کرتا لیکن تعریف بھی) پھر اس نے عبد العزیز کی مدح میں یہ دو
شعر کہے۔ (انکا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے) زہیر نے دوسرا شعر سفت والا یہ کہا ہے۔ ؎

جیسے گائے کا بچہ تھنوں والے دودھ کے لئے فریاد رس ہوتا ہے۔ لوگوں کی آنکھوں
سے (یا پستان کے چھوٹے سے سوراخوں سے) ڈرتا ہے۔ لیکن تھنوں والے دودھ نے اس کی
انتظار نہ کی۔

ثنیّٰی بمعنی دودھ جو تھن میں ہو۔ فرز کے معنے گائے کا بچہ۔ غیطلہ بمعنی گائے۔ حشد
بمعنی دودھ یا تھن میں دودھ جمع کرنا۔ اسکو طرماح شاعر (طے خاندان کا۔ بنی امیہ کے زمانے کا شاعر
عجاج اور کمیت شاعروں کا ہمعصر۔ شہری تھا اسلئے اس کی شاعری بدویت کی لطافت اور
سلاست سے خالی ہے۔ خارجی مذہب تھا) نے لیکر کہا۔ ؎

اس گائے کے بچے نے دودھ لینے کی طرف جلدی کی۔ لیکن پستان کے سوتے
والے چھوٹے سوراخوں کے اندر جو دودھ دوہنے کی اثنا میں دودھ جمع ہو گیا تھا اسکی
اُس نے انتظار نہ کی۔ تاکہ رگوں کو حرکت دینے سے حاصل کیا جاوے۔ ثُنّہ کے معنے رگوں

کو حرکت دنیا ۔ حقیقت یہی ہے جو فواق ہے یعنے دودھ دوہنے میں دو دفعہ پستان میں جمع ہو جاوے

تیسرا شعر سبقت کردہ یہ ہے ۔ جس میں زہیر ایک ہرنی جس کے بچے کو کسی درندہ نے کھالیا تھا کی حالت بیان کرتا ہے ۔ ~

وہ ہرنی ضائع ہو گئی ۔ اور اس کی غفلتوں کو معاف نہ کیا گیا ۔ اس کے بعد اپنے معہود جگہ پر اس نے صاف طور سے جسم پوست کشیدہ کے نزدیک خون پایا ۔ جس کے نزدیک پرندے منڈلاتے تھے ۔ اور جسم کی ریزہ شدہ کھال میں چند گوشت کے ٹکڑوں کو بھی ؛

نابغہ جعدی (کعب بن ربیعہ کے خاندان جعد سے ہے جاہلی ہے ۔ حضور رسالتمآب کے پاس آیا تھا ۔ کچھ شعر سنائے تھے ۔ آپ نے دعا کی ۔ اسی دعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سو بیس سال کی عمر حاصل کی ۔ اخطل شاعر کے زمانہ کو پایا ۔ اور شاعری میں اس سے مقابلہ بھی کیا ۔ منذر ابو النعمان لخمی کا ندیم تھا ۔ نابغہ ذبیانی سے پہلے تھا ۔ اصفہان میں وفات پائی) نے اسکو لیکر کہا ۔ ~

اس نے معہود جگہ کے شروع یا پہلے ملاقات کیوقت ہی صاف طور سے اس کا چمڑا زرد رنگ کا اور جوان جسم جو بغیر علت کے قتل شدہ تھا ۔ اور اندر سے خالی ۔ پایا ۔

راوی کہتا ہے ۔ کہ جو اشعار کعب بن زہیر نے سب سے پہلے کہے ۔ اور دوسرے شعراء نے انکو لیا ۔ وہ یہ ہیں ؛

(۱) ان کے اندر ایک بھیڑیے اور کوّے کا ذکر کرتا ہے ۔ ~

(۱) سو ان دونوں نے سوائے سواری یعنے اونٹنی کی نشست گاہ کے اور کچھ نہ پایا جہاں پر ایک شریف دانا اور تیر انداز آدمی کے سینے کی ہڈی اور چھاتی علیحدہ علیحدہ ہو کر پڑی تھیں :-

(۲) کنکریوں کے درمیان اس کی ضرب کی جگہ ۔ گردن کا اگلا حصہ تھا ۔ اور ایسے ناقہائے تیز رو کی دو تار مہار پڑی تھی ۔ جن سے ان کے جوڑوں نے خیانت نہیں کی ۔ (یعنے جوڑ مضبوط رہے)

(۳) اور وہ جگہ تھی ۔ جہاں رسی پاؤں میں چرنے کے لئے باندھی تھی ۔ اور اعلیٰ پالان کی ٹیڑھی لکڑی ۔ جو کہ تنگ سے اوپر کی طرف سے باندھنے کیوقت آواز پیدا کرتی تھی ؛

(۴) اس نے اپنا سر اٹھایا ۔ بحالیکہ وہ ایسی مضبوط بٹی ہوئی مہار (یا گردن کے بالوں) سے پیچ در پیچ ہو رہا تھا ۔ کہ گویا وہ کھجور کی شاخ ہے جسکو چاہ شمیہ (مدینہ منورہ میں کنواں ہے

بہت سارے پانی والا) کی نالیوں نے سیراب کیا ہے۔

(۴) کئی ایک تیز پیاسے ہیں جن کو لچکدار نیزے بعد اس کے کہ رات کے آخری حصے کا کچھ جزو گذر گیا تھا۔ وقفہ وقفہ کے بعد لگتے تھے۔

(۵) ان پر ایک دراز دامن نے جس کی شرمگاہ اور دونوں سرین ایسے تھے۔ کہ گویا خوشۂ نخل ہیں۔ جو بوجہ بار کے جھکا ہوا ہے۔ مٹی پھینکی۔

(۶) کئی ایک لاغر اور آنکھ جھکائے ہوئے ہیں۔ جو اس بات سے خوف کھاتے ہیں کہ زمین بے آب و گیاہ کیا کچھ اپنے اندر رکھتی ہے۔ اور کیا کچھ باہر نکالتی ہے۔ اس مطلب کو **ذوالرمہ** (غیلان بن عقبہ۔ بنی اُمیہ کے عہد کا اخیر شاعر جس نے عرب کی بدوانہ شاعری کا تتبع کیا۔ اس کی شاعری کوئی بہت اعلیٰ نہیں ہے۔ فرزدق کے ساتھ اکثر جنگ رہتی تھی) اور **طرماح** ہر دونے لیا۔ طرماح نے تو یوں کہا ہے

(۱) اس مقام پر ایک خاکستری رنگ کا (بھیڑیا) اور حریص گھومتا رہا۔ لیکن وہاں سوائے درمیان میں آنے والے اور مختلف رنگ والے آدمی کے گرنے کی جگہ کے اور کچھ نہ پایا۔

(۲) کئی ایک چوڑی تلواریں ہتھوں والی تھیں۔ جن کے پھل تو زمین میں تھے۔ اور ان کی دو تار والی چیزیں ہاتھ میں تھیں۔ جو بڑی لطیف ساخت کی تھیں۔

(۳) وہ باریک تھیں۔ جیسے کہ بہادر آدمی کے گذر جانے کی جگہ۔ نیز تین نرم لچکدار نیزے تھے۔ جو ایسے نرم تھے۔ جیسے پیلو کے درخت کے چھوٹے چھوٹے دانے جو ایک دوسرے کے نزدیک ہیں۔

(۴) زخمی شدہ ہاتھ بھی تھے۔ جو پاک صاف مٹی سے لگے ہوئے تھے۔ جس کو شور کرنے والے پانی کے نہ ہونے نے کفایت کیا ہوا تھا۔

(۵) کئی ایک اپنے تیز پاؤں کے بل ساری رات چلنے والے ہیں۔ کسی خوفناک آدمی کی وجہ سے جلدی سے جاتے ہیں۔ اور امن میں نہیں ہیں۔

(۶) کئی دراز و خرامان گھوڑیاں ہیں۔ جن کو ان کا ساتھی (نر گھوڑا) مقام مُسلّم کیطرف دوڑا لے گیا۔ اور یہ گھوڑیاں (یا اونٹنیاں) نہایت ہی تیز تھیں۔

(۷) دونوں گھٹنوں اور سجدہ کا موقع بھی تھا۔ جس کی وجہ سے بابرکت رکنِ حطیم

(کعبۃ اللہ کے اندر ایک رُکن ہے) کا ثواب طلب کیا جاتا ہے۔ ذوالرمہ نے یوں کہا ؎

(۱) جس وقت وہاں بھیڑیا آ ظاہر ہُوا۔ تو وہاں سوائے لڑائی کرنے والے آدمی کے گرنے کی جگہ کے اور کوئی چیز نہ پائی۔

(۲) ان دونوں کے درمیان ایک آگ پڑی ہوئی تھی۔ گویا کہ وُہ بہادر آدمی کی سی ہوئی پیٹی ہے۔ جورات کے اخیر حصّے میں انتقام لیتا ہے۔

(۳) جوان آدمی کے قدم کے نشانات ہیں جس کے واسطے آٹھ گھوڑے جو ایسے کم مُو ہیں۔ جیسے مُسافر کی نماز (جو قصر کرکے پڑھائی جاتی ہے) حلال کئے گئے ہیں۔ یا وہاں اُترے ہیں۔

(۴) لیکن زمین میں اس کا کوئی نشانِ قدم نہیں ہے۔ جو اس نے بنایا ہو۔ اس نے اس کی بہن کو ایک لاغر اور تیز رفتار اونٹنی کے پالان کی حالت میں موڑ کر پھیر لیا۔

(۵) نیز سخی جوانمرد کی بینی اور پیشانی کا موقع اس نشانۂ تیر تک تھا۔ جو کسی جلدی کرنے والے اور نیک پہنچایا ہو

کعب بن زہیر نے (ایک دفعہ یوں) کہا۔ ؎ یہ لوگ موت کی شکایت نہیں کرتے۔ اگر اُن پر کوئی سالِ قحط جو نہایت ہی شدت اور سختی والا ہو۔ نازل ہو جائے کسی آدمی نے یہ سُن کر کہا،۔ مقام **قطاۃ** (خیبر یا اس کا قلعہ) پر قاصد کی طرف سے ایسی سختی ڈالی گئی ہے۔ جو سالِ قحط کیطرح غایت درجے کی تکلیف دِہ اور شدید ہے۔

منجملہ زہیر کے سبقت کردہ اقوال کے جسپر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔ اس کا "فاق احق مقطعہ" والا بیت ہے (اس کی تشریح اور اگلی تین سطروں کا مطلب پہلے آ چکا ہے) اسی قسم کا قول اس کا یہ ہے،۔

یہ شخص ان کو تیر سے زخمی کرتا ہے۔ جبکہ وُہ تیر چلاتے ہیں۔ اور جب وُہ زخمی کرنے لگتے ہیں۔ تو تلوار سے لڑائی کرتا ہے۔ اور جب وُہ ایسا کرتے ہیں۔ تو وُہ گردن اُتار دیتا ہے۔ تو گویا ایک ہی بیت میں اُس نے جنگ کی قسمیں جمع کر دی ہیں۔

اسی قسم کا اس کا یہ قول ہے،۔

پردہ صرف بُرائیوں ہی کے چھپانے کے لئے ہوتا ہے۔ نیکی کے لئے تو کوئی پردہ نہیں دیکھے گا۔ منجملہ اس کے جید اشعار کے بعض یہ ہے (جو حذیفہ بن بدر کی تعریف میں لکھے گئے ہیں)۔

(۱) کئی ایک نعمتوں والے اور عُمدہ کام ہیں۔ جن کو مَیں نے پُورا کیا ہے اور ان کا شکریہ بھی ادا کیا ہے۔ اور کئی دُشمن ہیں۔ جن کا جھوٹ قریب تھا۔ کہ حق کو مغلوب کر دے۔

(۲) ایسے دُشمنوں کو مَیں نے عُمدہ اور راست قول کے ذریعہ سے دفع کیا۔ جبکہ یہ حالت تھی۔ کہ قولِ فیصل کہنے والا بولنے والوں کو گمراہ (یا حیران) کر دے۔

(۳) کئی آدمی سُست وضعیف قول والے ہیں۔ وُہ یہ گمان کرتے ہیں۔ کہ ہم درستی پر ہیں۔ حالانکہ وُہ اس قول پر وار دہی نہیں ہوتے۔ اور وُہ یونہی کہتے تھے

(۴) ایسے آدمیوں کے لئے مَیں نے بُردباری اختیار کی۔ اور ان کے سوائے دُوسرے کی عزت کی۔ ان سے اعراض کیا۔ کیونکہ ان سے قتال کرنیوالا ظاہر ہو گیا تھا

(۵) کئی ایک بعید نسب والے ہیں۔ جن سے میں نے مال کے ذریعہ سے صلۂ رحمی کی۔ اور وُہ نہیں جانتے تھے۔ کہ تُو ان سے وصل کرنے والا ہے۔

(۶) گورے رنگ کے (یا شریف) سخی آدمی تھے۔ جن کے ہاتھ ان کے سائلوں پر مثل بادل کے تھے۔ اور جن کی زائد سخاوتیں ناغہ نہیں کرتی تھیں۔

(۷) ایسے آدمیوں کے پاس مَیں عین صُبح کو گیا۔ تو مَیں نے ان کو اس حالت میں پایا۔ کہ ملامت گر عورتیں ریت کے ٹیلے پر (یا صُبح یا شام) ان کے پاس بیٹھی تھیں۔

(۸) کِسی وقت تو وُہ ان پر فدا ہوتی تھیں۔ اور کِسی وقت ملامت کرتی تھیں۔ وُہ بیچارے تنگ آ گئے تھے۔ لیکن وُہ نہیں جانتی تھیں۔ کہ کِس طرح ان کو فریفتہ کریں۔

(۹) ان سے اعراض کر کے وُہ ایسے سخی جوانمرد آدمی کی طرف لگ گئیں۔ جو ہر ایک ایسے کام کو وُہ کرنے والا ہوتا ہے۔ دل جمعی سے کرتا ہے۔

(۱۰) وُہ صاحبِ اعتبار ہے۔ جس کے مال کو شراب نوشی ضائع نہیں کرتی

بلکہ اس کی بخشش مال کو ضائع کرتی ہے۔

(۱۱) اس کا ترجمہ پہلے گذر چکا ہے۔

اسی قسم کا اُس کا یہ قول ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ اُس کے بیٹے کعب کا ہے:۔

(۱) جو شخص ہولناک کام پر ارتکاب نہ کر سکے۔ اس کے لئے کوئی (ترقی کی) خواہش نہیں ہوتی۔ نہ ہی اُس سواری کو جس کو اللہ تعالےٰ گرا دے۔ کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے۔

(۲) جب تو جہالت اور فحش کام سے باز نہیں آتا۔ تو (تیرے لئے برابر ہے) خواہ تو حلیم آدمی سے ملے یا تجھے کوئی جاہل ملے۔

اسی قسم کا اس کا یہ قول ہے (در مدح سنان بن ابی حارثہ مُرّی):۔

(۱) ان لوگوں میں مجلسیں ہوتی ہیں۔ ان کے چہرے خوبصورت ہوتے ہیں اور ایسی سخاوتیں ہیں۔ جہاں قول و فعل نوبت بہ نوبت آتے ہیں۔

(۲) ان میں جو مالدار ہیں۔ ان پر ان کے سائل کا رزق واجب ہوتا ہے۔ اور مُفلسوں کے ہاں بھی سخاوت اور مروّت ہوتی ہے۔

(۳) ان کے بعد لوگوں نے سعی کی۔ کہ ان (کے مرتبہ) کو پہنچیں۔ لیکن وُہ نہ پہنچ سکے۔ اور نہ وُہ ملامت کے مستحق ملے۔ اور نہ کوتاہی کی۔

علمائے شعر نے اس کے اس قول پر اعتراض کیا ہے۔ جس کے اندر وُہ مینڈکوں کا ذکر کرتا ہے:۔

وُہ ایسے کنوؤں (برائے سیرابیٔ نخلستان) سے باہر کو نکلتی ہیں۔ جن کا پانی سیاہ کیچڑ دار ہے۔ وُہ تنہ ہائے نخل کو جاتی ہے۔ کیونکہ غم اور غرق ہونے سے ڈرتی ہیں۔

ان علماء نے یہ کہا ہے۔ کہ پانی سے مینڈکوں کا نکلنا غم اور غرق کے خوف سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس لئے ہے۔ کہ اُنہوں نے کنوؤں کے کنارے پر انڈے دئے ہوتے ہیں۔

اس کے اس قول پر بھی مؤاخذہ کیا گیا ہے:۔

پھر وُہ دائمی طور پر جم گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ تمہارے پینے کی جگہ کوہِ سلمیٰ

(موضع نجد میں قوم طے کا مشہور پہاڑ ہے) کے مشرقی طرف کا چشمہ ہے جس کا نام فید (ویسے راہِ مکہ میں قلعہ کا نام ہے) یا رکت (چشمہ کا نام ہے شرقِ سلمیٰ میں۔ غلطی سے اس کو شاعر نے رکک کہدیا) اصمعی کہتا ہے۔ کہ میں نے مقامِ فید کے گرد و نواح میں رکک کی بابت دریافت کیا۔ تو لوگ کہنے لگے۔ کہ یہاں تو کوئی رکک نہیں۔ ہاں رکت ہے۔ اس سے میں جان گیا۔ کہ زہیر کو ضرورتِ شعری لاحق ہوئی۔ تو شعر کو ضعیف کر دیا۔

اس کے بیٹے کعب کے قول پر بھی اعتراض کیا گیا ہے۔ جو ناقہ کی وصف کے بارے میں ہے۔ ع۔ اس ناقہ کی ہار کی جگہ ضخیم اور پُر گوشت اور پاؤں (جہاں اُسے رسّی سے قید کیا جاتا ہے) یا پنڈلی بُزرگ اور بھری ہُوئی ہے۔ اصمعی کہتا ہے۔ کہ یہ غلط ہے۔ اعلیٰ اونٹنیوں کی تعریف تو سینے کی باریکی سے کی جاتی ہے۔ منجملہ اس کے بیٹے کعب کے عُمدہ اقوال کے وُہ ہیں۔ جنکے اندر وُہ اپنے گروہِ مُزینہ کے ایک مقتول مرد کا ذکر کرتا ہے (اس کا نام جُوَی تھا قصّہ یہ ہے۔ کہ یہ شخص اوس و خزرج جو آپس میں لڑ رہے تھے۔ کے ہاں گُزرا۔ چُونکہ اس کا گروہ مُزینہ اَوس کا حلیف تھا۔ اس لئے ان سے یہ شریک ہو گیا۔ لیکن مارا گیا۔ حماسہ میں سارا قصّہ اور قصیدہ موجود ہے):-

(۱) بیشک جُوَی نے اپنی قسم (کے پورا کرنے) کا اپنی ایسی قوم کو متولّی کر دیا۔ جن کے ہمقوم بھائی کا خُون رائگان نہیں جاتا۔

(۲) اے جُوَی! اگر تو ہلاک ہو گیا۔ تو کیا مضائقہ ہے۔ کیونکہ ہر جان کو اس کے کھینچنے والے ہلاکت کی طرف عنقریب کھینچکر لے جاوینگے۔

(۳) اے جُوَی! اگر تو ہلاک ہو گیا۔ تو کیا ڈر ہے۔ کیونکہ سخت لڑائی کے بھڑکانے والے تیرے خیال کے مُطابق تیرے بعد ہوئے (حَولی کی بجائے اکثر جگہ حربًا آیا ہے۔ جو زیادہ صحیح ہے)۔

(۴) جس دن تو قسم کھاتا تھا (کہ قوم خزرج سے ضرور پچاس آدمی مارے جائینگے) تو تیرے گمان اُن بُزدلوں سے جن کے ہلانے والوں نے تیری قسم پوری کر دی۔ بُرے نہ نکلے (بلکہ اچھے اور سچے تھے)۔

(۵) گویا جس دن (تیرے مرنے کے بعد) تیرے کپڑے اُتار لئے گئے۔ تو جانتا تھا۔ کہ ان کے کھینچنے والے کیا کچھ پائینگے۔

(۶) سو ہم نے اُن (بنی نوع خزرج) کو یہ نہ کہا۔ کہ تم بطور انتقام کے ہمارے ایک آدمی کے بدلے اپنا ایک آدمی دیدو۔ اگر تم خون بہا نہیں دے سکتے۔

(۷) بلکہ ہم نے ان کو اس طرح تلواروں سے دفع کیا۔ کہ اوّل تو وُہ پیاسی تھیں۔ اس کے بعد تیری یاد سے ان کے سیراب کرنے والوں نے سیراب کر دیا۔

(۸) اگر کسی مقتول کو اس کی قوم کے نیک کام پہنچتے۔ تو تیری قوم کی تلواریں کھینچنے والے تجھے اپنی خبروں سے خوش کرتے۔

اسی قسم کا قول اس کا یہ ہے:۔

(۱) اگر بالفرض مَیں کسی چیز سے تعجب کروں۔ تو انسان کی کوشش مجھے تعجب میں ڈالتی ہے۔ حالانکہ اس کو اپنی قضا و قدر نامعلوم ہے۔

(۲) انسان ایسے امُور کی سعی کرتا ہے۔ جن کو وُہ نہیں پا سکتا۔ حالانکہ نفس تو ایک ہے اور فکر بیشمار ہیں۔

(۳) انسان جب تک زندہ ہے۔ اس کی اُمید دراز رہتی ہے۔ سچ ہے کہ آنکھ تب ہی ختم ہو جاتی ہے۔ جب کسی چیز کا نشان ختم ہو جائے۔

کعب ہی ان کا کہنے والا ہے:۔

(۱) وُہ کون ہے۔ جو قوافی یعنے اشعار کو خوب بُنے اور تیار کرے جبکہ کعب (یعنے مَیں خود) مر جائیگا۔ اور جرول یعنے حُطیئہ شاعر ہلاک ہو جائیگا۔ (ان اشعار کی وجہ تسمیہ کعب کے احوال میں ظاہر ہو جائیگی)۔

(۲) وُہ اشعار کہے۔ لیکن جو کچھ کہے۔ اس میں عاجز نہ آجائے۔ کیونکہ کئی ایسے قول کہنے والے ہیں۔ جو بُری طرح سے کہتے ہیں۔ اور بناوٹی طور پر۔

(۳) وُہ ان اشعار کو ایسا سیدھا کرے۔ کہ ان کی سختی نرم ہو جائے۔ تاکہ ہر ایک وُہ شعر جس کو بطور تمثیل بیان کیا جاتا ہے۔ اُن سے قاصر ہو۔

(۴) تجھے یہ بات کافی ہے۔ کہ تُو لوگوں میں ایسا کوئی شاعر نہیں پائیگا جو شعر کی ایسی چھان بین کرے۔ جیسے کہ مَیں کرتا ہُوں۔

کمیت شاعر (طرماح کا ہمعصر۔ بنی اُمیّہ کا شاعر۔ عرب کے مختلف قبائل کا بڑا علامہ تھا۔ اہل بیت نبوی کی طرف زیادہ مائل تھا۔ شیعہ مذہب کا تھا۔ سن وفات ۱۲۶ھ) نے اس کو سُن کر اپنے قصیدے میں یُوں کہا:۔

(۱) اس کو اس بات نے ضرر نہیں دیا۔ کہ کعب مر جائیگا۔ اور اس کے بعد حُطیئہ بھی ہلاک ہو جائیگا۔

(۲) کعب بن زہیر

یہ شخص بڑا اعلےٰ ماہر فن تھا۔ لیکن ہمیشہ اس کو مفلسی اور بدحالی لازم رہتی تھی۔ اس کا بھائی بُجَیر اس سے پہلے اسلام لا چُکا تھا۔ اور فتح مکّہ (۱۰ رمضان ۸ھ) کے دن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ حاضر ہُوا تھا۔ لیکن کعب نے اپنے بھائی کی طرف خط بھیجا تھا (جس کا ذکر پہلے آ چُکا ہے) جس کے اندر وُہ اُسے اسلام سے منع کرتا ہے۔ یہ خبر نبی علیہ السلام کو جا پہنچی۔ تو آپ نے اس کو ڈرایا۔

اس پر بجیر نے اس کو کہلا بھیجا۔ اور اس بات سے تنبیہ کی۔ تب وُہ رسُول اللہ صلعم کے پاس آیا۔ پہلے پہل ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ملا۔ سو جس وقت نبی علیہ السلام نے صُبح کی نماز سے سلام پھیرا۔ تو حضرت ابوبکرؓ اس کو لائے۔ بحالیکہ وُہ اپنی پگڑی سے مُنہ ڈھانپے ہوئے تھا۔ اور عرض کی کہ یا رسُول اللہ! یہ شخص آپ کے پاس اِسلام پر بیعت کرنے آیا ہے۔ اس پر حضور نے اپنا دستِ مُبارک پھیلا دیا۔ تو کعب نے بھی اپنے مُنہ سے کپڑا اُتار دیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ اے رسُول اللہ! یہ موقعہ تو آپ سے پناہ لینے کا ہے۔ مَیں کعب بن زہیر ہوں۔ اس پر انصار لوگ اس پر ہجوم کر آئے۔ اور بوجہ اسکے اس سے پیشتر کے معاملے کے اس کو سخت الفاظ کہے۔ لیکن مہاجر لوگ یہ چاہتے تھے۔ کہ یہ مُسلمان ہو جائے۔ اور یہ کہ نبی علیہ السّلام اس کو امان دے دیں۔

سو آپ نے اس کو امان دے دی۔ اس پر اس نے یہ قصیدہ پڑھا۔ یہ قصیدہ
تمام کا تمام حصہ نظم میں موجود ہے۔ بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے۔
کمال بلاغت اور تاثیر کا جامع ہے (:-

(۱) سُعاد معشوقہ جُدا ہو گئی۔ پس آج کے دن میرا دل ہلاک ہو گیا
ہے۔ اُس محبُوبہ کے نشانِ قدم نے مُطیع کیا ہُوا ہے۔ اس سے اس کو رہائی
نہیں ہوئی۔ بلکہ قید میں ہے۔

(۲) صُبح فراق جبکہ سُعاد معشوقہ سامنے نظر آئی۔ تو وُہ (ہرن جیسی)
غُنّہ دار آواز والی۔ آنکھ کو جھکائے ہوئے اور سُرمہ لگائے ہوئے تھی۔

(۳) محبُوبہ جس عہد کا وعدہ کرتی ہے۔ اُس پر ہمیشگی نہیں کرتی۔ بلکہ
چھلاوے کی مانند اپنے مختلف کپڑوں (اور صُورتوں) میں رنگ بدلتی رہتی
ہے۔

(۴) جس محبّت و دوستی کا وُہ قول دیتی ہے۔ اُس پر مضبُوطی نہیں کرتی
بلکہ ایسے ہے۔ جیسے چھلنیاں پانی کو روک رکھتی ہیں۔ یعنے بالکل نہ ہونے
کے برابر۔

(۵) **عرقوب** (عرب کا مشہُور آدمی تھا۔ جو خلافِ وعدہ میں ضرب المثل تھا)
کے وعدے اس کے وعدوں سے جو سراسر جھُوٹ ہیں۔ بطور مثال کے ہیں۔

(۶) مجھے خبر ملی۔ کہ رسُول صلعم نے مجھے وعید سُنائی ہے۔ حالانکہ حضُور
کے ہاں تو مُعافی کی اُمید کی جاتی ہے۔

(۷) ذرا تامّل فرمادیں (یعنے میرے مُواخذہ کرنے میں) کیونکہ اُس
اللہ پاک نے آپ کو ہدایت کی (دیا کرے) جس نے آپ کو قرآن جیسی زائد چیز
عطا کی۔ جس کے اندر نصیحتیں اور تفصیلِ احکام ہے۔

(۸) آپ مجھے چغل خوروں کے اقوال کی وجہ سے مواخذہ نہ کریں۔ کیونکہ
مَیں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ گو میرے بارے میں باتیں تو بہت مشہُور ہیں
جس وقت اُس قول پر پہنچا۔ کہ:-

(۱) واقعی رسُول اللہ نُور ہیں۔ جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔

اور اللہ تعالےٰ کی کھچی ہوئی تلوار ہیں۔

(۲) جس وقت آپ قریش کے ایک گروہِ مرومان میں تھے۔ تو انہیں سے ایک کہنے والے (حضرت عمرؓ) نے وادیٔ مکہ کے اندر جبکہ وُہ تمام مُسلمان ہو چُکے تھے۔ کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ (اشارہ ہے ہجرت نبوی کی طرف)۔

(۳) تو وُہ (مکہ سے مدینہ کو) سب چلے گئے۔ مگر نہ نکمّے اور نہ وُہ جو لڑائی کے دِن بیکار ہوں۔ اور نہ سیاہ فام اور نِتھّے وہاں سے نِکلے۔ اس پر رسُول اللہ صلعم نے قریش کیطرف جو آپ کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے۔ دیکھا۔ گویا آپ ان کو اشارہ کرتے ہیں۔ کہ وُہ اسے سُنیں۔ حتّےٰ کہ اس نے یہ کہا:۔

یہ لوگ اونٹوں کی طرح چلتے ہیں۔ ضربِ تلوار ان کو بچاتی ہے جبکہ سیاہ (یلر سردار) اور پست قد آدمی بھاگ نِکلیں۔ یہاں انصار پر بوجہ ان کی سخت کلامی کے تعریض کرتا ہے۔ اُس بات کو قریش یعنے مہاجرین نے بُرا مانا۔ اور کہنے لگے۔ کہ جب تُو نے اُن کی ہجو کی ہے۔ تو گویا ہماری مدح نہ کی۔ اس پر اس نے کہا:۔

۱۔ جس کو شرفِ زندگی مسرُور کرے۔ تو اُسے چاہئے۔ کہ انصار کے صالح گروہ میں رہے۔

۲۔ یہ لوگ اپنے نبی علیہ السّلام کے لئے لڑائی اور جابر آدمی کے غلبہ کے دِن اپنے آپ کو خرچ کرنے والے ہیں۔

۳۔ اُن کفار کے خُونوں سے جو ان کے ہاں پھنس جاتے ہیں۔ طہارت کرتے ہیں۔ گویا یہ کام ان کے لئے بطور حُکمِ عبادت کے ہے۔

اس پر نبی صلعم نے اس کو اپنی چادر مُبارک (یمنی دھاری دار) پہنا دی۔ جس کو اس کے بعد امیر معاویہؓ (بنی اُمیہ کا پہلا خلیفہ ۴۱ھ سے ۶۰ھ تک خلافت کی۔ بڑا مدبر۔ اور لائق آدمی تھا۔ اس کے عہد میں بہت ساری فتوحات ہوئیں۔ ہر ایک اس کے نام سے واقف ہے۔ اصحاب شیعہ اسکو بُرا بھلا کہتے ہیں) نے دو ہزار دام کے بدلے خریدا تھا۔ اور یہ وُہ چادر ہے۔ جس کو خلفاء ہر دو عیدوں کے موقعہ پر پہنتے ہیں۔ یہ بات حضرت

ابان بن عثمانؓ بن عفان نے کہی ہے۔ حطیئہ شاعر نے کعب کو کہا۔ کہ اے اہل بیت! تم سب نے جان لیا ہے۔ کہ میں تمہارے اشعار کا راوی ہوں۔ اور تمہاری ہی طرف لگا رہا ہوں۔ سو کاشکہ تو ایسے اشعار کہتا جس کے اندر تو پہلے اپنے آپ کا ذکر کرے۔ بعد ازاں میرا ذکر کرے۔ کیونکہ لوگ تمہارے اشعار کی زیادہ روایت کرنے والے ہیں۔ اس پر اس نے کہا:۔ (ان اشعار کا ترجمہ پہلے گذر چکا ہے)

اس پر شماخ (اصلی نام معقل بن ضرار۔ صحابی تھا۔ قوس اور حمر کی سب شعراسے زیادہ وصف بیان کرنے والا۔ قبیلہ غطفان کا اعلےٰ شاعر اس کا بھائی مزرد بھی عمدہ شاعر ہے۔ حماسہ میں اس کا مرثیہ بر وفات حضرت عمرؓ بن خطاب موجود ہے۔ اس کا اصلی نام جزء ہے) کے بھائی مزرد نے اعتراض کیا۔ اور یوں کہا:ے

۱۔ میں کوئی حسانؓ بن ثابت (کوئی صحابی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ کا بڑا مداح تھا۔ بڑا بلیغ شاعر تھا۔ ملوکِ غسان کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ ۱۲۰ سال کی عمر پاکر امیر معاویہؓ کے زمانے میں فوت ہوا) جو تلوار کی مانند ہیں) کی مثل نہیں ہوں۔ اور نہ شماخ اور مخبل جیسا (ربیعہ بن مالک مخضرین شعرا میں سے ہے۔ بڑی عمر کا تھا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت میں مرا کنیت ابو زید۔ اس نام کے تین شاعر اور بھی ہیں۔

۲۔ سو تیرا بُرا ہو (یا تو ہمیشہ رہے۔ اِست کے دونوں معنے آتے ہیں بعض نسخوں میں فبؤسک آیا ہے) کہ تُو نے مجھے لوگوں کے ایسے شاعر (یعنے کعب) کے پیچھے چھوڑا ہے۔ میں نہ تو اِکفا (عیوبِ قافیہ کی ایک قسم ہے۔ یعنی بعضے شعروں کا حرفِ روی کچھ لانا۔ اور بعضوں کا کچھ) کرتا ہوں۔ اور نہ اتنی چھان بین کرتا ہوں۔ کمیت نے (سُنکر) یوں کہا ے

۱۔ پس تجھے یہی قُرب و رتبہ کافی ہے جس کے مقابلے میں نہ تو جبرًا تجھ پر حملہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ تجھے کوئی لات مار سکتا ہے۔

۲۔ وہ شائستہ رُتبہ ہے۔ نہ کہ ایسے آدمی کے فحش قول جیسا جو بُری

بات کہتا اور کرتا ہے۔

۳۔ (اسکا ترجمہ آگے گذر چکا ہے)

(۳) طرفہ بن عبد

اس کا نام طرفہ بن عبد بن سفیان ہے۔ تمام شعرا سے زیادہ طویل لیکن عمدہ قصیدے والا ہے۔ وہی (ایک قصیدہ کے جو سبع معلقہ میں ہے اور جو تمامہ نظم میں آئیگا۔ اس مصرع کا) کہنے والا ہے۔ ع۔ محبوبہ خولہ (بنی کلب کی ایک عورت) کے کھنڈرات کے نشان ایسی جگہ میں ہیں جس کی مٹی سے مقام ثہمد کی کنکریاں ملی ہوئی ہیں۔ اس مطلع کے بعد اس نے عمدہ شعر لکھے ہیں۔ اس کے اشعار اور عبید بن ابرص (جاہلیت کے زمانے کا نامور شاعر ہمعصر نابغہ۔ یہ دونو لخمی بادشاہ کے دربار میں بمقام حیرہ رہتے تھے بادشاہ منذر ثالث نے جو زندہ آدمی کو ہر دوسرے روز قتل کرنے کی رسم ادا کرتا تھا۔ اسکو قتل کیا۔ قریباً تین سو سال کی عمر میں مرا۔ اس کے سات قصائد مشہور ہیں) کے اشعار کے راویوں کے نزدیک ان کے تھوڑے شعر ہیں۔ یہ شخص اپنی قوم میں باعزت حسب و نسب رکھتا تھا۔ اور اس کی اور دیگر قوموں کی سخت دلیری سے ہجو کرتا تھا۔ اس کی ہمشیرہ عبد عمرو بن بشر بن مرشد (بن سعد جو طرفہ کا پردادا تھا) کے پاس تھی۔ جو اپنے زمانے والوں میں سردار تھا۔ کسی موقع پر طرفہ کی ہمشیرہ نے اس کے پاس اپنے خاوند کی (کسی بدسلوکی کی) شکایت کی۔ تو طرفہ نے یوں (بطور ہجو کے) کہا ؎

۱۔ اس کے اندر کوئی عیب نہیں۔ سوا اس کے کہ اس میں بے پرواہی ہے۔ اور یہ کہ وہ جس وقت کھڑا ہوتا ہے۔ تو اس کے جسم کا پہلو بڑا لطیف معلوم ہوتا ہے (یہ تعریض ہے۔ کیونکہ وہ بہت موٹا تھا۔ بعض نسخوں میں عیب کی جگہ خیر آیا ہوا ہے۔ جو زیادہ صحیح ہے)۔

۲۔ اور یہ کہ قبیلہ کی عورتیں اس کے گرد گھومتی رہتی ہیں۔ اور کہتی ہیں کہ یہ تو عمدہ وادی ملہم (یمامہ میں پر از نخلستان ایک گاؤں ہے) کی شاخ تر

ہے دونوں شعر منجملہ تاکید المدح بما یشبہ الذم کے ہیں)

یہ شعر عمرو بن ہند (لخمی بادشاہ ۵۵۴ء سے ۵۶۸ء تک بادشاہت کی۔ بڑا دانا اور قابل آدمی تھا۔ لیکن شریر مزاج تھا۔ اس کے وقت دارالخلافہ حیرہ علمی مرکز بنا ہوا تھا۔ تمام مشہور شعرائے عرب کا مرجع تھا۔ عمرو بن کلثوم شاعر نے اس کو قتل کیا تھا) کو جا پہنچے۔ کسی موقعہ پر وہ شکار کو نکلا۔ عبد عمرو بھی ساتھ تھا۔ (کیونکہ یہ شخص ہمیشہ اس کا نہایت ہی معزز ندیم تھا)۔ عمرو بن ھند نے ایک گورخر پایا۔ جس کو زخمی کیا۔ اور عبد عمرو سے کہا۔ کہ ذرا نیچے اُتر (اور اس کو ذبح کرکے تیار کر) اب وہ جوں اترا۔ تو تھک گیا اس پر عمرو بن ھند ہنس پڑا۔ اور کہنے لگا۔ کہ طرفہ نے واقعی تجھے جان بوجھ کر یہ شعر کہا تھا۔ کہ "ولا عیب"۔ عمرو بن ھند چونکہ بدمعاش تھا۔ اس واسطے طرفہ نے اس سے پہلے اس کے بارے میں کہا تھا (اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ عمرو بن ھند کے تخت پر بیٹھنے کے تھوڑے دنوں کے بعد یہ مع اپنے ماموں متلمس کے اس کے دربار میں رہنے لگا۔ اس نے انہیں اپنے بھائی قابوس کی خدمت کے لئے متعین کردیا۔ چونکہ وہاں کی رسم و رواج سے تنگ آگیا تھا۔ اس لئے اس طرفہ نے یہ شعر بطور ہجو کہے۔ جو بعد ازاں اس کے قتل کا موجب بنے)

کاشکہ ہمیں بجائے بادشاہ عمرو بن ھند کے کوئی دُودھ دینے والی بڑھیا ہوتی۔ جو ہمارے خیمے کے گرد شور و بانگ کرتی۔

تو عبد عمرو نے کہا۔ کہ تو لعنت کا انکار کرے۔ (اس زمانہ کی دُعائے خیر تھی۔ یعنے کارِ نیک کرے۔ تاکہ لعنت کا مستحق نہ بنے) جو ہجو اُس نے تیرے بارے میں کہی ہے۔ وہ میری سے زیادہ سخت ہے۔ عمرو بن ھند نے کہا۔ کیا معاملہ اس حد تک پہنچ گیا ہے۔ تو اُس نے کہا کہ ہاں۔ تو عمرو بن ھند نے طرفہ کو بلوایا اور اپنے عاملِ بحرین (بنام ربیع بن حوثرہ) کے نام خط دیا۔ (قصہ مختصر یہ کہ عمرو بن ھند نے طرفہ کو بُلا کر کہا۔ کہ بہتر ہے۔ کہ تم اپنے قوم والوں سے جو مقام بحرین میں آباد تھی۔ ملاقات کر آؤ۔ اور یہ خط گورنر بحرین کے نام ہے جو تمہاری عزت کریگا۔ اور تمہیں انعام بخشے گا۔ حالانکہ اُس کو لکھا تھا۔ کہ

آتے ہی اس کو قتل کر دو۔ جیسے کہ ابھی آگے آتا ہے) جس نے اُسے قتل کر دیا۔ مَیں نے یہ خبر اپنی کتاب الشراب (از مصنّف۔ اس کے اندر ذکر ہے کہ کون کون سے آدمی شراب پلا کر قتل کئے گئے) میں بیان کر دی۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ اس کا قاتل مُعلّیٰ بن حنش عبدالقیس والا تھا۔ اور جو اس کے قتل کا متولی ہُوا تھا۔ وُہ معاویہ بن مُرّہ بنی الفیل والا ہے۔ جو قوم طسم وجدیس میں سے ایک قبیلہ ہے (قدیم عربوں کے دو قبیلے ہیں۔ یمامہ میں رہتے تھے۔ باہم بڑی سخت لڑائیاں رہیں۔ آخر کار دونوں ہلاک ہو گئے۔) یہ اشعار اس کے جیّد اور عُمدہ ہیں ؎

۱۔ مَیں حریص اور مال کے بخیل کی قبر ایسے شخص کی قبر کی مانند دیکھتا ہُوں۔ جو غایت درجہ کا گمراہ ہے۔ اور کثرتِ خرچ سے مال کو تلف کرتا ہے (یعنی موت کے بعد بخیل و مُسرف برابر ہیں)

۲۔ مَیں موت کو اس حالت میں دیکھتا ہُوں۔ کہ سخی نوجوان کو پسند کر لیتی ہے۔۔ اور بخیل آدمی جو مال کے باقی رکھنے میں سختی کرتا ہے۔ کے عمُدہ مال کو بھی چُن کر لے لیتی ہے۔

۳۔ میں زمانے کو ایسے خزانے کی مثل دیکھتا ہُوں۔ جو ہر ایک رات کم ہو رہا ہے۔ ہاں جس چیز کو زمانہ اور اس کی گردشیں کم کریں۔ وُہ ضرور کم ہو جائیگی۔ (پہلے دھر کی بجائے اکثر جگہ عیش آیا ہے۔ جو صحیح ہے)

۴۔ تیری زندگی کی قسم۔ کہ موت انسان کے خطا کرنے میں (یعنے اُسکو کسی مُدّت تک زندہ چھوڑ دینے میں) ایک ڈھیلی رسّی کی مانند ہے۔ (جو جانوروں کے پاؤں میں چرنے کے لئے ڈال دی جاتی ہے) جس کے دونوں کنارے (جانور کے مالک کے) ہاتھ میں ہیں (یہ سب اشعار حصّہ نظم میں آئیں گے) طرفہ کا جب باپ مرا تھا۔ تو اس وقت یہ چھوٹا سا تھا۔ اس کے چچوں نے اس کے مال کو تقسیم کرنے سے انکار کیا۔ اس پر اس نے کہا ؎

۱۔ افسوس کہ تُم میری ماں وَردہ کے مال کا جو تمہارے ہاں ہے۔ خیال نہیں کرتے۔ حالانکہ اس کے چھوٹے چھوٹے بچّے ہیں۔ اور اسکا قبیلہ

اس وقت غیر حاضر ہے۔

۲۔ کبھی کبھی ایک چھوٹی سی بات بڑی سی بات کو برانگیختہ کرتی ہے یہانتک کہ اس کی خاطر خون گرنے لگ جاتے ہیں۔

۳۔ ظلم ہی نے بنو وائل کے ہر دو قبائل میں تفریق کر دی ہے۔ایک بنو بکر ہیں۔جس کو بنو تغلب ہمیشہ موتوں کا پیالہ پلایا کرتے ہیں (بکر اور تغلب بن وائل عرب کے مشہور قبائل تھے۔ہمیشہ ان میں لڑائیاں رہتی تھیں۔چنانچہ حرب لبوس مشہور ہے)۔

۴۔ راستی سے سخی آدمی جس کی لوگ اُمید کر کے آئیں۔اُلفت رکھتا ہے۔اور جھوٹ سے کمینہ اور نا اُمید آدمی محبّت رکھتا ہے۔

اس کے ان اشعار کی تمثیل دی جاتی ہے۔(یہ شعر قتادہ بن سلمہ کی مدح میں ہیں۔ایک دفعہ جو اس کی قوم میں سخت قحط پڑ گیا۔تو لوگ اس کے پاس آئے۔اس نے سخاوت سے ان کی امداد کی) ؎

۱۔ وہ سر کا لمبا چوڑا زخم جو ہڈی تک پہنچ جائے۔اور اس کو ظاہر کر دے۔تجھے ایسے آدمی کے غرور کو روک دیگا۔جو سخت اعتراض کرنے والا ہے۔

۲۔ بذریعہ تیری تلوار۔یا زبان۔اور اُن عُمدہ کلمات کے جو لپندیدہ زخموں کی مانند ہیں۔(بلحاظ شدّت و وسعت کے)۔

اور نیز اس قول کو متمثلاً بیان کیا جاتا ہے۔ ؎ ۔ہمارا بھی ایک دن تھا (یا ہوتا ہے) اور کروان (سُرخ ٹانگ والا تیتر یا کلنگ) پرندہ کا بھی۔بیچارے مُصیبت زدہ پرندے تو اُڑتے تھے۔لیکن ہم نہیں۔کِرْوان جمع ہے کَرَوان کی۔بمعنے ایک چھوٹا سا جانور۔جیسے شِقْذان جمع ہے شَقَذان (بمعنے بھیڑیا) کی۔کہتے ہیں۔کہ سب سے اول شعر جو طرفہ نے کہا۔وہ اس وقت تھا۔جبکہ وہ اپنے چچا کے ساتھ کسی سفر کو نکلا۔وہاں ایک جال لگایا۔جب کُوچ کا ارادہ کیا۔تو یوں کہا ؎

۱۔ اے چنڈول یا چکاوک جو مقام مَعْمَر میں ہے (یا وہ جگہ جہاں کہ کوئی مقیم رہے) تیرے لئے خلائے آسمان صاف ہے۔اب تو بیشک انڈے دے۔اور صفر

و نالہ کر۔

۲۔اور اگر تو منقار سے دانہ چُننے کی خواہش کرے۔ تو بیشک ایسا کر۔ کیونکہ جال تو اُٹھا لیا گیا ہے۔ اب بھلا کس بات سے ڈرتی ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے۔ کہ کسی دِن تیرا شکار ہو گا۔ اب صبر کر لے۔ اَبو محمد ابن قتیبہ (مصنف کتاب) کہتا ہے۔ کہ یہ شاعر طرفہ بن عبد بن سفیان بن سعد بن مالک بن عُباد بن صعصعہ بن قیس بن ثعلبہ ہے۔

(مفضل ضبّی نے مالک بن ضبیعہ بن قیس لکھا ہے۔ غالباً ابن قتیبہ کی روایت عتبی سے ہے) کہتے ہیں۔ کہ اس کا نام عمرو ہے۔ اور اس کا نام ایک شعر کی وجہ سے جو اس نے کہا تھا طرفہ ہو گیا۔ اس کی ماں کا نام وردہ ہے۔ جو اس کے باپ کے قبیلہ سے تھی۔ اسی ہی کے بارے میں اپنے ماموں (پہلے تو چچوں کا ذکر آیا ہے) کو جنہوں نے اس عورت کے حق میں نا اِنصافی کی تھی۔ خطاب کر کے کہتا ہے۔ ؎ (ان چار اشعار کا ترجمہ پہلے گذر چُکا ہے۔ صِرف فرق اتنا ہے۔ کہ مال کی جگہ حق آیا ہے)

تمام شعرا میں سے یہ نو عمر اور کم سن تھا۔ بیس سال کی عُمر میں مقتول ہُوا اسی لئے اس کو بیس سال کا لڑکا کہتے ہیں۔ عمرو بن ھند بادشاہ کے ساتھ ندیم کے طور مِل کر بیٹھا کرتا تھا۔ ایک دِن اس کی بہن نے جو اُوپر سے جھانک کر دیکھا تو طرفہ نے اس کا عکس اپنے اس پیالہ میں جو اس کے ہاتھ میں تھا۔ دیکھا۔ اور یوں کہا ؎

اے وُہ جس پر میرا باپ قُربان ہو۔ وُہ تو ایک ہرن کی مانند ہے۔ اس کے ہر دو کان کے گوشوارے چمکتے ہیں۔ اگر اسوقت بادشاہ نہ بیٹھا ہوتا۔ تو مَیں اس کے مُنہ پر بوسہ دیتا۔ اِس بات نے اس کے اندر کینہ بٹھا دیا۔ نیز طُرفہ نے یہ بھی کہا تھا ؎

۱۔(اس کا ترجمہ پہلے گذر چُکا ہے)۔

۲۔تیری جان کی قسم کہ قابوس بن ہند کے مُلک کو بہت ساری حماقت اور نحوست گھیر لیگی۔

یہ قابوس عمرو بن ہند کا بھائی تھا۔ اس میں نرم مزاجی (یا نامردی) تھی۔ اس لئے اس کو شادی کی لونڈی یا گانے والی عورت کہتے تھے۔ اب عمرو بن ہند نے اپنے عاملِ بحرین بنام ربیع بن حوثرہ کو اس کے لئے ایک خط لکھا۔ اور طرفہ کو یہ جتلایا۔ کہ میں نے تیرے لئے انعام کا حکم لکھا ہے۔ اور متلمس کے لئے بھی ایسا ہی خط لکھا۔ مصنف کہتا ہے۔ کہ متلمس کا قصہ تو میں نے پہلے (اسی کتاب الشعر و الشعراء میں) بیان کیا ہے۔ (مختصر یہ ہے۔ کہ جب دونو خط لیکر چلے۔ تو دریائے فرات پر متلمس نے ایک لڑکے سے اپنا خط پڑھایا۔ جس کے اندر اس کے قتل کا حکم درج تھا۔ اسلئے یہ بھاگ نکلا۔ طرفہ کو بھی ایسی نصیحت کی۔ لیکن اس نے اعتبار نہ کیا) باقی رہا طرفہ سو وہ اپنا خط لیکر چلا گیا۔ جس کو ربیع نے لے لیا۔ اور اس کو شراب پلائی۔ یہانتک کہ اس کو بدست کر دیا۔ بعد ازاں (اس کی رگِ ہفت اندام (یا رگِ حیات) کو فصد سے کھول ڈالا۔ اور بحرین میں دفن کر دیا۔ طرفہ کا ایک بھائی تھا۔ جسے معبد بن عبد کہتے ہیں۔ اس نے اس کا خون بہا طلب کیا۔ اور بنی حوثرہ (اولادِ ربیع بن حوثرہ) سے لیکر ہی چھوڑا۔

ابو عبیدہ (بصرہ کا نحوی۔ ابو عمرو کا شاگرد۔ فرقہ شعوبیہ کا مائل تھا قریباً دو سو علم نحو و لغت میں رسائل لکھے۔ مصنف کتاب ایام العرب جو کتاب الاغانی اور کامل مصنفہ ابن اثیر کی بنیاد ہے) کہتا ہے۔ کہ شاعر لبید جس کا مفصل ذکر آگے آئیگا۔) یمن کے قبیلہ بنی ہند کی مجلس بمقام کوفہ سے گذرا۔ جبکہ وہ عصا پر سہارا لئے ہوئے تھا۔ جس وقت وہاں سے آگے بڑھ گیا تو اہلِ مجلس نے اپنے ایک جوان کو کہا۔ کہ اس سے مل کر پوچھے۔ کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون ہے۔ اس جوان نے ایسا کیا۔ لبید نے کہا۔ کہ بادشاہ گمراہ یعنے امرأ القیس (جاہلیت کے زمانے کا افضل الشعرا۔ تمام عمر عیاشی اور شراب نوشی میں بسر کی اور دشمنوں کے خوف کے مارے آوارہ دشتی کرتا رہا۔ ملوک کندہ سے تھا۔ نہایت ہی لطیف اور بلیغ شاعر تھا۔ صاحب معلقہ) وہ جوان واپس آیا۔ اور ان کو یہ خبر سنائی۔ کہا کہ کیوں نہ تو اس سے پوچھے۔ کہ پھر کون ہے۔ وہ لوٹ کر آیا اور اس سے سوال کیا۔ لبید نے کہا۔ کہ بیس سال والا یعنے طرفہ۔ واپسی پر

پھر اُنھوں نے کہا۔ کہ کاش تو اس سے دریافت کرتا۔ کہ اس کے بعد کون ہے۔ مُڑ کر پھر جو پُوچھا۔ تو اس نے کہا۔ کہ عصائے خمدار والا یعنے میں خود۔ ابوعبیدہ کہتا ہے۔ کہ شاعروں میں طرفہ زیادہ اعلےٰ شاعر ہے۔ اور اس کا جیّد شعر سمندروں جیسے قابل شعرا مثل امراءالقیس۔ زہیر اور نا لغبہ (ذُبیانی۔ دوسرے درجہ کا اعلےٰ شاعر۔ ملوک غسان وغیرہ کے درباروں میں رہا کرتا تھا۔ نُعمان بن منذر اس کا مُربّی تھا۔ بعد ازاں اس سے جو اختلاف ہو گیا۔ تو عمرو بن حارث کے ہاں جا کر رہا) کے ساتھ تو مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اُس جیسے آدمی مثلاً حارث بن حلزہ (بنو بکر کا تھا۔ صاحبِ معلقہ جو فی البدیہہ عمرو بن ہند کے سامنے کہا تھا۔ اشعارِ معلقہ کوئی بہت دلچسپ نہیں ہیں ہاں تاریخی پہلو سے مُفید ہیں) **عمرو بن کلثوم** (صاحبِ معلقہ جس کے اندر یہ قصہ بتایا ہے۔ کہ عمرو بن ھند نے جو اس کی ماں کی بے عزتی کی تھی۔ اس کو قتل کر کے کس طرح اس کا انتقام لیا۔ اس کی شاعری پُرجوش ہے) اور سوید **بن ابو کاہل**۔ (یہ بھی بنی بکر کا تھا۔ عُمدہ شعر کہتا تھا۔ حجاج اکثر اس کے اشعار کو بطور مثال کے استعمال کرتا تھا) کے ساتھ اس کا مقابلہ ہو سکتا ہے منجملہ ان اشعار کے جو طرفہ نے سب سے پہلے کئے اور دوسروں نے لئے۔ ایک وہ شعر ہے۔ جس کے اندر کشتی کا ذکر کرتا ہے (یہ شعر اس کے معلقہ میں ہے) ؎

ان کشتیوں کا میانۂ سینہ پانی سے موجِ بزرگ کو ایسا چیر دیتا ہے۔ جیسے **فِئال** کی کھیل والا اپنے دونوں ہاتھوں سے مٹی کو دو حصّے کر دیتا ہے (فِئال یہ ہے۔ کہ کوئی چیز مٹی میں پوشیدہ کی جاوے۔ اس کے دو حصّے کر کے پُوچھیں۔ کہ وہ چیز کس حصّے میں ہے۔ جس نے درست تبلا دیا۔ وُہ غالب رہا ورنہ مغلوب)

اس کو لبید نے لیکر یُوں کہا ؎

اس کے ہاتھ مقام دَہنا (مدائن کے قریب جگہ ہے یا مطلق جنگل) کے جھنڈوں کو اس طرح چیر ڈالتے ہیں۔ جیسے بازی فِئال کا کھیلنے والا کھیلتا ہے۔

طرماح نے لیکر کہا ؎

اس کے ہاتھ مقام رُبا (مکّہ و مدینہ کے درمیان موضع ہے۔ یا سطلق ٹیلہ) کے درمیان کی جگہوں کو ایسا چیر پھاڑ کرتے تھے۔ جیسے کہ بازی فیال کے ہاتھ دو برابر حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

اسی قسم کا اُس کا یہ قول ہے ؎

۱۔ کئی ایک پیچیدہ مقام ہیں۔ جن کی ظلمت روز نمناک میں خارشتی حاملہ اونٹنی کی مانند تھی۔

۲۔ ایسے مقامات کے ٹھیک اندر سے میں گذر گیا۔ بحالیکہ میرے نیچے ایک ایسی تیز رفتار ناقہ تھی۔ جو زمین سے بچکر چلتی تھی۔ اور وُہ ناقہ دُماں بند والی اور کم مُو تھی۔ اس کو عدی بن زید (بنی تمیم کا۔ حیرہ میں رہتا تھا چونکہ فارس میں پرورش پائی تھی۔ اس لئے عربیت کی فصاحت قدرے معدوم ہو گئی۔ علمائے شعر اس کی شاعری کو حجت نہیں مانتے۔ بڑا عیاش اور عاشق مزاج تھا۔ نعمان کی دُختر ہند پر عاشق ہو گیا تھا۔ اور فریب سے اس سے شادی بھی کر لی تھی) اور لبید نے لیا۔ عدی نے تو یُوں کہا ؎

۱۔ بہت ساری ایسی گنجان جگہیں ہیں۔ جن کی ظلمت ایسی تھی۔ جیسے حبشی لوگ جو ڈنڈا لیکر چلتے ہیں۔

۲۔ میں ان کے درمیان سے گزر گیا۔ جبکہ میرے نیچے بڑی مضبُوط اونٹنی تھی۔ جو سفروں کو عبُور کرنے والی اور لکڑی کی تلوار (یا تجربہ کار ماہر آدمی) کی طرح بے نظیر تھی۔

لبید نے اس طرح پر کہا ؎ ایسے کئی پیچ در پیچ موقعے تھے۔ جنکی سیاہی شور کرنے اور خوش و خورم حبشیوں کے گروہ جیسی تھی۔ میں ان کے اندر سے گھُس کر نکل گیا۔ جبکہ میں ایسی اونٹنی پر سوار تھا۔ جو دراز قد (یا لاغر و باریک) تھی اور سخت مضبُوط و دراز پہلو۔ اسی قسم کا سبقت کردہ اس کا یہ قول ہے ؎

۱۔ اگر تین چیزیں نہ ہوتیں (جن کو میں دوست رکھتا ہوں) جن سے انسان کی زندگی اور لذت ہے۔ تو تیرے بخت کی قسم۔ میں ہرگز اس وقت کی پروانہ کروں۔ جبکہ (میں مر جاؤں اور) میری عیادت کرنے والے (میری

بالین سے زندگی سے مایُوس ہو کر) اُٹھ کھڑے ہوں۔

۲- ان میں سے ایک تو میرا ملامت گر عورتوں سے ایسی شراب کے پینے میں سبقت کر جانا ہے۔ جو کمیت رنگ والی ہے۔ اور جب پانی اُس سے ملایا جائے تو وُہ جھاگ پیدا کرتی ہے (تَعُلّ کی جگہ بعض نسخوں میں تُعَلُّ اور تُمَلُّ آیا ہے)

۳- دوسرا میرا اس وقت جبکہ کوئی خوف کرنے والا پکارے۔ اپنے اسپ فراخ گام کو پھیرنا (اور حملہ کرنا) ہے۔ جو خاردار درختِ جنڈ کے بھیڑیئے کی مانند ہے۔ جس کو تو چونکا دے۔ اور جو پانی پر وارد ہونیوالا ہے (یعنے بڑا تیز رفتار ہے۔ اور جوش والا ہے)

۴- تیسرا ابر والے دِن کو جو نہایت ہی عمدہ اور تعجب انگیز ہوتا ہے۔ ستون سے بلند کئے ہوئے خیمہ کے نیچے جوان و خوبصورت معشوقہ کے ساتھ کم کر دینا اور گزار دینا ہے۔ (کوتاہ کرنا کہ اس کے ایام وصال تھوڑی دیر کے لئے ہوتے ہیں) اس مطلب کو عبداللہ بن نہیک بن اِساف انصاری (صحابی تھے۔ عمدہ شاعر تھے) نے لے کر کہا۔

۱- اگر تین چیزیں نہ ہوتیں۔ جو انسان کی زندگی کا باعث ہیں۔ تو تیرے بخت و حق کی سوگند۔ کہ میں اُس وقت سے ہرگز خوف نہ کھاتا۔ جبکہ مُجھے دفن کرنے والا (مجھے دفن کرنے کے لئے) کھڑا ہو۔

۲- ان میں ایک تو میرا ملامت گر عورتوں سے ایسی شراب کے ذریعہ سے بڑھ جانا ہے۔ کہ گویا ان کا پینے والا سُورج نکلنے تک اونگھ میں ہے۔ یعنے مست و مدہوش کرنیوالی۔

۳- دُوسرا میرا ایسی اُبھری چھاتی والیوں سے خلوت و علیحدگی کرنا ہے۔ جو مُورت اور بُت کی طرح خوبصورت ہیں۔ اور یہ اس وقت ہے۔ جبکہ ان کے ساتھ معاشرت کرنے والا ان کے سترین سے زور کے ساتھ کپڑا اُتار لیتا ہے۔

۴- تیسرا میرا اپنے عُمدہ گھوڑے کو اُس وقت لگام دینا ہے جبکہ اور شاہسوار ایک خُوب مسلح آدمی سے سبقت کر جاویں۔ اس کے سبقت کردہ

اقوال میں یہ ہے ؎

جس بات سے تو ناواقف ہے۔ زمانہ اُس کی خبر کر دیگا۔ اور جس شخص کو تُونے زادِ راہ نہیں دیا۔ وُہ تیرے پاس خبریں لائیگا (یہ اس کے معلقہ کا شعر ہے)۔

کِسی نے یہ کہا (یا اس کے سوا اسی طرفہ نے کہا) ؎

وُہ شخص جس کے لئے تُونے زادِ راہ نہیں خریدی۔ اور اس کے لئے کوئی خاص وقت (اخبار بیان کرنے کا) نہیں بیان کیا۔ تجھے خبریں لاکر تبلائیگا (یہ بھی معلقہ کا شعر ہے)۔

اس کے جید اشعار یہ ہیں ؎

اے وُہ جو مجھے اس بات سے لعنت ملامت کرتا ہے۔ کہ میں کیوں لڑائی میں حاضر ہوتا ہُوں۔ اور لذّات میں موجود ہوتا ہُوں۔ کیا تو (اگر میں یہ باتیں ترک کر دُوں) مجھے ہمیشہ کے لئے زندہ رکھنے والا ہے۔

۲۔ پس اگر تو میری موت کے روک دینے پر قادر نہیں ہے۔ تو مجھے چھوڑ دے۔ کیا میں اُس مال کے خرچ کرنے میں جو میرے ہاتھوں کے پاس ہے۔ جلدی کروں (یہ شعر اور اگلے شعر جن کا ترجمہ پہلے گزُر چکا ہے۔ اس کے معلقہ سے ہیں) اور جید شعر یہ ہے ؎

کچھ تعجب نہیں۔ مگر میری لونڈی اور اس کے سوال پر۔ کاش ہمارے اگر اہل وعیال ہوتے تو ہم سے بھی سوال کیا جاتا۔

اس کے اندر شاعر نے اس عورت پر بد دُعا کی۔ کہ یہ اپنے علاقہ سے دُور ہو جاوے (اور بیگانوں کے اندر نکاح کرے) تاکہ جس طرح اُس نے مجھ سے سوال کیا ہے۔ اسی طرح اس سے سوال کیا جاوے۔ عُمدہ دُعا میں نابغہ ذبیانی کی بھی ہے ؎ (در مدح عمرو بن حارث اعرج)

۱۔ کیا میں تیرے سوا کوئی جائے پناہ اور محفوظ جگہ ڈھونڈ دوں۔ مجھے تو کئی پناہ کی جگہوں اور قلعوں نے عاجز کر دیا ہے۔

۲۔ میں تو تیرے پاس طالب سخاوت ہو کر آیا ہُوں۔ بحالیکہ میرے کپڑے

پھٹے پُرانے ہیں۔خوف کی حالت میں ہُوں۔حتےٰ کہ لوگوں کے گمان بھی مجھ پر گمان کرتے ہیں۔ (بدظنی کا مبالغہ کیا ہے) عاری کا لفظ باب عراک یعرُوک عرّوا سے ہے۔یعنے جبکہ وُہ تیرے پاس حاجت کا طالب ہو کر آئے۔ عافی کا لفظ بھی اسی قسم کا ہے (ایک ہی معنےٰ ہے) طرفہ کے جیّد اشعار میں سے یہ بھی ہیں ؎

۱۔مجھے بغیر شبہ کے اس بات کا پُورا علم ہے۔کہ جس وقت اِنسان کا آقا (یا نوکر) ذلیل ہو جائے۔تو وُہ خود ذلیل ہو جاتا ہے۔

۲۔یہ کہ انسان کی زبان کو جب تک عقل وُر کاوٹ نہ ہو۔تو وُہ اس کی پوشیدہ باتوں کو بتلانے والی ہے۔

۳۔اور یہ کہ وُہ آدمی جو کبھی دن ایسے آدمی کو جس نے بُرائی کا اِرادہ نہیں کیا۔خوش طبعی کرکے معاف نہ کر دے۔جاہل ہے۔

یہ شعر اُس نے لڑکپن میں کہے تھے ؎

۱۔ ہر ایک دوست کو جس سے مَیں نے دوستی کی۔اللہ تعالےٰ واضح راستہ نہ دکھائے۔

۲۔کیونکہ وُہ سارے لُومڑی سے زیادہ مکّار ہیں۔ایک گذشتہ رات دُوسری گذشتہ رات سے کیسے ہی مشابہ ہے (یا بالکل مشابہ نہیں۔عرب میں دستُور ہے۔کہ قبل زوال اگر گذشتہ رات کا ذکر کرتا ہو۔تو لفظ لیلہ کا استعمال کریں گے۔اور بعد زوال بارحہ کا)۔

جن شعروں پر عیب لگایا جاتا ہے۔وُہ یہ ہیں۔جن کے اندر کسی قوم کی مدح کرتا ہے ؎

۱۔ یہ لوگ نیستان کے شیر ہیں۔جب شراب نوشی کرتے ہیں۔تو ہر ایک مضبُوط اور اصیل گھوڑے بخش دیتے ہیں۔

۲۔ پھر جو راحت میں آتے ہیں۔تو اُن سے مُشک مہک اُٹھتا ہے۔ اور زمین کو کناری دار وریشہ دار ازار پہنلتے ہیں (یعنے دامن دراز کرکے زمین پر گھسٹ کر چلتے ہیں) یہ ذکر کیا ہے۔کہ جس وقت وُہ نشہ میں ہوتے ہیں۔ تو عطاد

بخشش کرتے ہیں۔ لیکن حالت ہوش میں یہ شرط نہیں لگائی۔ جیسے کہ عنترہ شاعر (بنی عبس کا بڑا سخی تھا۔ حرب داحس و غبرا میں حاضر ہوا تھا۔ صاحب معلقہ ہے۔ جہاں سے یہ دونو شعر لئے گئے ہیں۔) نے کہا ہے ؎

۱۔ جب میں شراب پی لوں۔ تو میں اپنا مال ہلاک کر ڈالتا ہوں۔ اور میری عزت وافر ہے۔ جس کو زخم نہیں پہنچتا۔

۲۔ اور جب ہوش میں ہوتا ہوں۔ تب بھی سخاوت سے کوتاہی نہیں کرتا۔ میری خصلتیں اور عزت تو ایسی ہے۔ جیسے تو جانتی ہے (معشوقہ کو خطاب کرتا ہے)۔

کہتے ہیں۔ کہ (اس بارے میں) زیادہ عمدہ شعر زہیر کا ہے ؎

یہ صاحب اعتبار ہے۔ جس کے مال کو شراب نوشی تلف نہیں کرتی۔ بلکہ اس کی سخاوت مال کو ہلاک کر ڈالتی ہے۔

متاخرین میں سے کسی نے کہا ہے (وہ ابو نواس ہے۔ در مدح فضل بن یحیٰ برمکی ؎

یہ ایسا نوجوان ہے۔ کہ شراب نوشی اس کے اعلےٰ مال کو نہیں خراب کرتی۔ بلکہ اس کی عطائیں دوبارہ لوٹنے والی اور ظاہر آنے والی ہیں۔

سب سے اوّل طرفہ نے اپنے شعروں میں مرض اُدّرہ (یعنے خصیوں کا پھول جانا) کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے ؎

۱۔ ہمارا بھلا اس بات میں کیا گناہ ہے۔ کہ تمہارے خصیوں کو بیماری لگ گئی۔ اور یہ کہ تم اپنی قوم میں اُدرت بیماری والا گروہ ہو گئے۔

۲۔ جب وہ لوگ بیٹھتے ہیں۔ تو تو ان کے کپڑوں کے نیچے خرگوش کے بچے خیال کریگا۔ جن کی نذر ان کی آواز سے پوری کی جاتی ہے۔

نابغہ جعدی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ کہتا ہے ؎

۱۔ اس کا حال ایسا ہے۔ جیسے کہ وہ آدمی جس کے ایک خصیئے میں بیماری ہو۔ اور دوسرا بیماری سے دردناک نہ ہو۔

۲۔ سو وُہ آدمی بغیر تندرستی کے اپنے کپڑے بہت بالوں والی اونٹنی پر جو بچے جنتی ہے۔ ڈھانپ لے۔

سب سے پہلے طرفہ نے خیال کو دُور کیا۔ کہتا ہے ؎

حنظلہ بن مالک (بنی تمیم کا بزرگ قبیلہ) کے قبیلہ کی معشوقہ کے خیال کو کہہ۔ کہ وُہ واپس اُسی کی طرف لوٹ جاوے۔ کیونکہ میں اُس آدمی سے رشتہ قائم کرنے والا ہُوں۔ جو مجھ سے کرے۔

جریر نے یُوں کہا ؎

اے نفس۔ دِلوں کے شکار کرنے والی محبوبہ رات کو (خیال کیصورت میں) تیرے پاس آئی۔ لیکن یہ زیارت کا وقت نہیں۔ پس تو سلامی سے واپس لوٹ جا۔ (اس شعر پر اعتراض کیا گیا ہے۔ کیونکہ رات کی زیارت سے زیادہ لذیذ کوئی چیز نہیں)۔

اصمعی کہتا ہے۔ کہ اہل مدینہ کے ایک بزرگ عمر بوڑھے سے میں نے کہا۔ کہ کیا تُو نے کُثیر کے اُس قول کو دیکھا ہے ؎ میں کبھی کبھی دوست کو ایسے فراق سے جس کا اُسے خوف نہیں۔ اور کلام کو کم کرنیسے ڈراتا ہوں۔ یہ کونسی گالی ہے۔ تو اس نے کہا۔ کہ اے ماں کے لڑکے یعنے دوست۔ جس چیز کو وُہ دوست بناتا ہے۔ تو اس کو جلا ڈالتا ہے +

۴۔ لبید بن ربیعہ

اس کا نام لبید بن ربیعہ بن مالک بن جعفر بن کلاب عامری (یعنے از بنو عامر بن صعصعہ) اس کے باپ کو بوجہ اس کی سخاوت کے مفلسوں کا موسم ربیع (یا مخفف ربیعہ) کہتے تھے۔ بنو اسد نے اس کو ایک لڑائی میں جو ان کے اور اس کی قوم کے درمیان ہوئی۔ قتل کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ اس کو مُنقذ بن طریف اسدی نے قتل کیا تھا۔ نیز کہا جاتا ہے۔ کہ صامت بن افقم بنی صیدا (بنو اسد کی شاخ) والے نے اُسے قتل کیا۔ بعض کا یہ قول ہے۔ کہ ضرب تو خالد بن نضلہ نے پہنچائی۔ اور کام اس صامت نے تمام

کیا - اور اس کا انتقام اس کے بھائی عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب نے لیا - اور یہ اس طریق پر تھا - کہ اس عامر نے ربیعہ کے قاتل کو قتل کیا - لبید کی کنیت ابوعقیل تھی - اور یہ شخص جاہلیت کے شعرا میں سے ماہرِ فن تھا - حارث بن ابو شمر غسانی (جسے اعرج یعنے لنگڑا کہتے ہیں - خاندان جفنہ کا دوسرا بادشاہ - سب سے زیادہ قابل اور خوش قسمت لیکن مکار تھا) نے جو ایک سو شاہسوار مُنذر بن ماء السماء (منذر ثالث لخمی - بڑا زبردست بادشاہ تھا - رُوم کے برخلاف بُہت ساری تدابیر کی تھیں - حارث کے برخلاف لشکر کشی کی تھی) کے پاس بھیجے تھے - اُن پر اس لبید کو امیر بنایا تھا - یہ سب منذر کے لشکر کے پاس جا پہنچے - اور یہ ظاہر کیا - کہ یہ اس کی اطاعت وصُلح میں داخل ہونے کے لئے آئے ہیں - لیکن جس وقت قدرت پائی تو اُس مُنذر کو قتل کر ڈالا - اور ان کے گھوڑوں پر سوار ہو گئے - تو اِن میں سے اکثر قتل ہو گئے - لیکن لبید نجات پاکر شاہ غسان کے پاس آیا - اور اس کو خبر آ سُنائی - اسپر تمام اہل غسان نے منذر کے لشکر پر حملہ کیا - اور اس کو شکست دی - اسکو حلیمہ کی لڑائی کہتے ہیں (۵۵۴ء کا واقعہ ہے) حلیمہ شاہِ غسان یعنے حارث کی لڑکی تھی - اور جس وقت یہ جوان (منذر کے لشکر کیطرف) متوجہ ہوئے تھے - تو اس عورت نے اس کو خوشبوئیں ملی تھیں - اور کفن کے کپڑے - زرہ بکتر اور سُرخ رنگ کی ٹوپیاں پہنائی تھیں - لبید نے زمانۂ اسلام کو پایا تھا - اور رسول اللہ صلعم کے پاس بنی کلاب کے وفد میں آیا تھا - جو سب مُسلمان ہوئے تھے - (یہ واقعہ رمضان سنہ ۱۰ھ کا ہے) اور اپنے علاقوں میں واپس چلے گئے تھے - زاں بعد لبید بمع اپنے بیٹوں کے کُوفہ میں آگیا تھا - لیکن بیٹے تو واپس جنگل کیطرف لوٹ آئے تھے - اور لبید اپنے مرنے تک وہاں ہی ٹھیرا رہا - اور بنی جعفر بن کلاب کے صحرا میں دفن کیا گیا تھا - کہتے ہیں - کہ اس کی وفات حضرت معاویہ کی خلافت کے پہلے ہی سال ہوئی (یعنے سنہ ۶۶۱ء) اور یہ کہ وُہ ۱۵۷ سال کی عُمر میں فوت ہُوا - اسلام کیحالت میں اس نے سوائے ایک بیت کے

کچھ نہیں کہا۔ اس بیت میں بھی اختلاف ہے۔ ابوالیقظان (اس نام کا ایک
صحابی اور ایک تابعی ہے) تو کہتا ہے کہ وہ شعر یہ ہے ؎

خدا تعالےٰ کا شکر ہے۔ کہ ابھی میری موت نہیں آئی تھی۔ کہ
اس نے مجھے اسلام کا کرتہ پہنا دیا۔

ایک اور یہ کہتا ہے۔ کہ نہیں بلکہ وہ شعر یہ ہے ؎

کریم انسان اپنے نفس جیسی کسی اور کو عتاب نہیں کرتا۔ کیونکہ انسان
کو نیک صحبت والا درست کر دیتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کہا۔ کہ ذرا اپنے کوئی اشعار سنا۔ تو
سورہ بقر پڑھنی شروع کر دی۔ اور کہنے لگا۔ کہ میرے لئے مناسب نہیں ہے کہ
میں شعر گوئی کروں۔ بعد اس کے کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے سورہ بقرہ و آل عمران
سکھائی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس کی بخشش میں جو پہلے دو ہزار درم
تھی۔ پانچسو درم بڑھا دیئے۔ اب جب امیر معاویہؓ کا زمانہ آیا۔ تو آپ نے
اس سے کہا۔ کہ یہ دو تنگِ بار ہیں۔ علاوہ بوجھ کی کیا ضرورت ہے۔ دو تنگ
بار سے آپ کی مراد دو ہزار درم تھی۔ اور علاوہ سے پانچسو۔ آپ نے جو ارادہ
کیا۔ کہ یہ علاوہ رقم دینی بند کر دیں۔ تو لبید نے کہا۔ کہ اب تو مر جاؤں گا
دو تنگ بار اور علاوہ بوجھ تیرے لئے رہ جائینگے۔ اس پر حضرت معاویہؓ
کو رقت آگئی۔ اور بخشش کو اصلی حالت پر رہنے دیا۔ اس کے تھوڑے ہی
عرصہ بعد لبید مر گیا۔

لبید نے جاہلیت کے زمانے میں قسم کھائی تھی۔ کہ جب بادِ صبا (جو
قحط کا موجب ہوتی ہے) چلیگی۔ تو اس کے بند ہونے تک وہ لوگوں کو کھانا
کھلائیگا۔ اس بات کو اسلام کی حالت میں لازم رکھا۔ ایک وقت ولید بن
عقبہ (حضرت عثمانؓ کا بھائی ماں کی طرف سے۔ قریش کا نوجوان شاعر
شجاع اور سخی۔ لیکن نہایت ہی فاسق تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو کوفہ
کا والی مقرر کیا۔ ایک موقعہ پر اس نے شراب پی۔ تو آپ نے اس پر حدِ جرم
جاری کر کے اسکو معزول کر دیا) نے کوفہ میں بادِ صبا والے دن (ایام قحط

میں) لوگوں کے سامنے خُطبہ پڑھا۔ اور کہا کہ تمہارے اسلامی بھائی لبید نے یہ قسم کھائی تھی۔ کہ جس وقت بادِ صبا چلے گی۔ تو اس کے بند ہونے تک وُہ لوگوں کو طعام دیگا۔ آج اسکی مُصیبت کا دن ہے۔ تُم سب اس کی امداد کرو۔ مَیں سب سے اوّل اس کی اعانت کرتا ہُوں۔ منبر سے نازل ہو کر اس نے لبید کے پاس سو نوجوان اونٹنیاں بھیجیں۔ اور یہ لکھا ؎

۱۔ مَیں دیکھتا ہُوں۔ کہ قصاب اپنی ہر دو چھُریاں تیز کرتا ہے۔ جبکہ ابو عقیل یعنے لبید کی ہوائیں چلتی ہیں۔

۲۔ یہ شخص بلند ناک والا (کنایہ از بلندیٔ نشان) متکبر مزاج اور بنی عامر کے قبیلے کا ہے۔ دراز بازُو والا یعنے سخی اور صیقل کردہ تلوار کی مانند (یعنے نافذِ امر) ہے۔

۳۔ باوجود بُری حالتوں اور قلت مال کے بنی جعفر والے نے اپنی دونوں قسمیں (ایک جاہلیت میں اور دُوسری اسلام میں) پُوری کیں۔

۴۔ بوجہ بزرگ کوہان اونٹوں کے ذبح کرنے کے۔ اور یہ اس وقت تھا جبکہ بادِ صبا کے دامن اس پر کھنچے جاتے تھے (یعنے وُہ ہوا چلتی تھی) اور شام کے وقت گونج اُٹھتی تھی۔ جب لبید کے پاس یہ شعر پہنچے۔ تو اپنی بیٹی سے کہا۔ کہ اس کو جواب دے۔ کیونکہ تُو دیکھتی رہی ہے۔ کہ میں کبھی کسی شاعر کے جواب سے عاجز نہیں آیا ہُوں۔ اس پر اُس نے یُوں کہا ؎

۱۔ جس وقت ابو عقیل کی ہوائیں چلتی ہیں۔ تو ہم ان کے چلنے کیوقت ولید کو پُکارتے ہیں۔

۲۔ وُہ ولید۔ بلند ناک والا ہے متکبر مزاج۔ اور عبد الشمس کے خاندان کا ہے جس نے اپنی مروت سے لبید کی امداد کی ہے۔

۳۔ بذریعہ پہاڑوں جیسے بلند اونٹوں کے۔ جن کے اُوپر کے بیٹھنے والے سوار بنی حام کی اولاد سے معلُوم ہوتے ہیں (حام بن نوح۔ جس نے افریقہ وغیرہ ملکوں کو آباد کیا۔ مُراد حبشی لوگ)۔

۴۔ اے ابو وہب (کنیت ولید) خدا تعالےٰ تمہیں جزا دے۔ ہمنے ان

اونٹوں کو ذبح کیا۔ اور طعام ثرید لوگوں کو کھلایا۔ (ثرید یہ ہے۔ کہ روٹی کے باریک ٹکڑے کرکے شوربے میں ملا دیئے جائیں)۔

۵۔ سو تو پھر اسی طرح دے۔ کیونکہ سخی آدمی اعادہ کیا کرتا ہے۔ اور اے اروی (ماں کا نام ہے) کے بیٹے میرا گمان بھی یہ ہے۔ کہ تو اعادہ کریگا

لبید نے اسپر کہا کہ تو نے بہت عمدہ کہا کاش کہ تو اس سے طعام نہ مانگتی۔ کہنے لگی کہ وُہ بادشاہ ہے۔ کوئی بازاری آدمی نہیں ہے۔ بادشاہ سے طعام طلب کرنا کوئی مضائقہ نہیں۔

مُلَاعب الاسنّتہ جو مشہور ہے۔ وُہ لبید کا چچا ہے۔ اس کا اصلی نام عامر بن مالک (اور کنیت ابو براء) ہے۔ اوس بن حجر (بنی مُضر کا بڑا شاعر مکارم اخلاق خمر و سلاح کی نہایت ہی اعلےٰ وصف کرتا تھا۔ دِقتِ معانی اور امثالِ عرب کے استعمال میں سبقت لیگیا ہے۔ نابغہ کے آنے سے پہلے یہی بنی تمیم کا ممتاز شاعر تھا) کے ایک شعر کیوجہ سے اس کا نام مُلاعب الاسنّہ رکھا گیا ۵

عامر بن مالک نیزوں کے اطراف سے جو کھیلتا تھا (یعنے نہایت ہی بیباکی سے نیزہ بازی کرتا تھا) اسلیئے تمام لشکر کا حصہ اس کے لئے سبک دست و آسان ہوگیا۔ یہ مُلاعب الاسنّہ جاہلیت میں چالیس مرباع (¼ غنیمت جس کو جاہلیت میں رئیس لیا کرتا تھا) لیتا تھا جس وقت وُہ بوڑھا ہوگیا۔ اور اسہال کی بیماری میں مرگیا۔ تو عامر بن طفیل (عامر بن مالک کا بھتیجا تھا۔ اور لبید کے چچے کا بیٹا۔ بنی قیس کا بڑا نامور آدمی اور شاعر۔ لا ولد تھا۔ بنی علیہ السلام کے پاس آکر جھگڑا کیا تھا۔ جیسے کہ آگے قصہ آتا ہے) اور علقمہ بن علاثہ (شاعرِ جاہلی۔ عامر بن طفیل اس علقمہ کے چچے کا لڑکا تھا مؤلفہ قلوب میں سے ہے) بنی جعفر والوں نے رئیس بننے کے لئے تنازعہ کیا یہانتک کہ ہَرِم بن قطبہ بن سیّار (بنی فزارہ (جو اپنے زمانے کا رئیس اور دانا آدمی تھا) کے پاس محاکمہ کیا۔ اربد بن قیس جو بنی علیہ السلام کے پاس مکر و فریب کے لئے آیا تھا۔ وُہ ماں کی طرف سے لبید کا بھائی ہے۔ یہ شخص

عامر بن طفیل کے ساتھ آپ کے پاس آیا تھا۔ آپ نے اُس پر بد دُعا کی۔ تو واپسی پر بجلی اُس پر گری۔ اور اس کو جلا دیا۔ ذکر کا قصہ اس طرح ہے کہ بنی عامر کے وفد میں یہ دونو شخص رئیس قوم کے ساتھ تھے۔ عامر نے اربد سے کہا۔ کہ میں آپ سے باتیں کرکے آپ کو مشغول کر دُونگا۔ اس اثنا میں تم تلوار اُٹھا کر آپ کا سر اُتار لینا۔ لیکن کامیابی نہ ہُوئی۔ پھر جو اس سے پُوچھا گیا۔ تو اس نے کہا۔ کہ جب کبھی میں نے مارنے کا ارادہ کیا۔ تو تو خود درمیان میں حائل ہو جاتا تھا۔ عامر تو راستے میں ہی طاعُون کی بیماری سے مر گیا۔ ایک دو دن کے بعد اربد بھی صاعقہ سے ہلاک ہُوا) اسی کے بارے میں لبید نے کہا ؎

۱۔ مَیں اربد کے برخلاف موت کا خوف کھاتا ہُوں۔ اور مجھے بتارہ سماک (نہایت ہی روشن ہے۔ دو ستارے ہیں۔ سماک رامح اور اعزل۔ یا ہر دو بُرج اسد کے پائے ہیں) اور بُرج اسد کے نشانات (دربارہ نحوست وسعادت) کا ہرگز خوف نہیں ہے۔

۲۔ کہتے ہیں۔ کہ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہُوئی ہے" اللہ تعالیٰ بجلیاں بھیجتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے۔ اُس پر گرا دیتا ہے (اکثر مفسّرین یہی شانِ نزول بتلاتے ہیں) نیز اسی اربد کے بارے میں یہ اشعار کہے ہیں جو نہایت ہی اعلےٰ ہیں ؎

۱۔ ہم بوسیدہ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ طلوع کرنے والے ستارے بوسیدہ نہیں ہوتے۔ اور ہمارے (مرنے کے) بعد پہاڑ اور محل باقی رہ جاتے ہیں۔

۲۔ مَیں تو ایسے ہمسایہ کے اطراف میں تھا جس (کی موت) پر بخل کیا جاتا تھا۔ اب وُہ نفع دینے والا ہمسایہ یعنے اربد جُدائی دیگیا۔

۳۔ اگر زمانے نے ہمارے اندر تفریق پیدا کر دی۔ تو کوئی وا ویلا نہیں ہوا چاہئے۔ کیونکہ زمانہ تو ہر ایک نوجوان کو کسی نہ کسی دن (مار کر) دردناک کرنے والا ہے۔

۴۔ تمام لوگ ایسی بستیوں کی مانند ہیں۔ جہاں آج تو لوگ آباد

ہوئے اور کل وُہ جگہیں اُجڑی اور ویران ہوگئیں۔

۵۔اِنسان تو گرنے والے ستارے اور اس کی روشنی کی مانند ہے۔کہ (ستارے کی طرح) بعد اس کے کہ وُہ چمکدار ہوتا ہے۔بالکل راکھ سا بن جاتا ہے۔

۶۔نیکی بُجز اس کے نہیں ہے۔کہ تقوٰی (یا متقی) کی وجہ سے پوشیدہ چیزیں ہیں۔اور مال و دولت آباد کردہ اشیاء جیسی ہے۔جو امانت کے طور پر ہیں۔

۷۔مال اور بچّے تو محض امانتیں ہیں۔اور یہ ضرور ہے۔کہ امانتیں واپس کی جائیں۔

۸۔لوگ دو کام کرنے والے کاریگر کی مانند ہیں۔جن میں سے ایک تو اپنی بنا کردہ چیز کو تباہ کرتا ہے۔اور دُوسرا بُنیاد کھڑی کرتا ہے۔

۹۔ان میں بعض تو سعید ہیں۔جو اپنا (سعادت کا) حصہ لینے والے ہیں۔اور کئی بدبخت کہ محض اپنی معاش اور دُنیا پر ہی قانع ہیں (آخرت کا فکر ہی نہیں۔

۱۰۔کیا میرے پیچھے یہ بات نہیں ہے۔کہ موت نے اس عصا کے لازم رکھنے کو ڈھیلا اور آسان کر دیا ہے۔جس پر میری اُنگلیاں ٹیڑھی ہو کر جھکی ہوئی ہیں۔

۱۱۔مجھے گزشتہ صدیوں کی خبریں بتلائی جاتی ہیں۔تو میں زمین سے ایسے دَب جاتا ہُوں۔تو گویا اگر کھڑا بھی ہوں۔تو رکوع کرتا معلوم ہوتا ہوں۔

۱۲۔میں تو ایسی تلوار کی مانند ہو گیا ہُوں۔جس کا نیام پُرانا ہو۔لوہار کے پاس گئے ہُوئے اس کو بہت عرصہ گزر چکا ہو۔اور اس کا پھل بھی ٹوٹ چُکا ہو۔

۱۳۔تو اس بات کو بعید خیال نہ کر۔کہ موت ہمارے لئے ایک وعدہ گاہ ہے۔سو اس کا طلوع ہونا اب قریب آرہا ہے۔

۱۴۔ اے ملامت گر۔ تجھے تو ظنی طور پر کسی نے بتلایا ہے۔ بھلا جس وقت کوئی سفر کرنے والا کُوچ کر جائے۔ تو وُہ کیسے واپس آتا ہے۔

۱۵۔ کیا تو اس حادثہ پر فریاد کرتا ہے۔ جو زمانے نے جوان انسان پر ڈالا۔ بھلا کونسا سخی جوانمرد ہے۔ جس کو خُوب زور کی مصیبتیں نہ پہنچی ہُوں۔

۱۶۔ تیری جان کی قسم! کہ وُہ عورتیں جو کنکریاں مارتی ہیں۔ اور وُہ جو پرندوں سے فال لینے والی ہوتی ہیں۔ بالکل نہیں جانتیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کیا کیا کرنیوالا ہے۔ (عرب میں سنگریزوں کے مارنے اور پرندوں کے اُڑنے بیٹھنے سے سعادت و نحوست کی فال لیا کرتے تھے) منجملہ اس کے اُن اقوال کے جو نہایت ہی جید ہیں۔ یہ بھی ہیں۔ (یہ بھی اربد کی موت کے بارے میں ہیں)

۱۔ سُن لو۔ کہ اللہ تعالےٰ کے سوا ہر ایک چیز باطل اور نکمی ہے۔ اور ہر ایک نعمت خواہ مخواہ زوال پذیر ہے۔

۲۔ جس وقت انسان ساری رات چلتا رہتا ہے۔ تو یہ گمان کرتا ہے کہ وُہ اپنا عمل پُورا کر چکا۔ حالانکہ انسان زندگی بھر عمل کرنے والا ہے۔ یا اُمید رکھنے والا ہے (آمِل کی بجائے عامل صحیح ہے)۔

۳۔ اس کی رسیاں (رشتہ داریاں) اس کے ذریعہ سے ہی منقطع ہو جاتی ہیں۔ اور جس وقت وُہ رسیاں اس کو خطا میں ڈال دیں۔ تو وُہ فنا ہو جاتا ہے۔

۴۔ اے دو مردو! (بقول محاورہ عرب) تُم دونو اس کو کہہ دو۔ اگرچہ اُس کی قضا فیصلہ ہو چکی ہے۔ کہ کیا زمانے نے تجھے نصیحت نہیں دی۔ خُدا کرے تیری ماں کے بیٹے مر جائیں۔

۵۔ اگر تیرے نفس نے تیری تصدیق نہیں کی۔ تو اپنے نسب والوں کو یاد کر۔ شاید گذشتہ صدیاں تجھے رستہ جتلا دیں۔

۶۔ اگر تُونے معدّ اور عدنان کے سوا کوئی والد نہیں پایا (یہ دونوں عرب کے نہایت ہی قدیم اور مشہور قبائل ہیں۔ عرب کی تمام اولاد انہی سے ہے۔ معد عدنان کا بیٹا تھا) تو چاہئے کہ ملامت گر عورتیں تجھے باز رکھیں۔

۷۔ اور ہر ایک اِنسان ایک دِن اپنی کوشش کو جان لیگا۔ جس وقت کہ اللہ تعالےٰ کے پاس تمام چھپی ہوئی اشیار ظاہر ہو جائے گی۔
یہ اخیر کا بیت اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ یہ اسلام کے زمانے میں کہا گیا ہے۔ کیونکہ وُہ اللہ تبارک وتعالےٰ کے اس قول کے مشابہ ہے "اور سینوں کی باتیں ظاہر کر دی جائینگی"۔ یا یہ ہو کہ لبید اسلام کے پہلے دوبارہ زندگی اور حساب وکتاب پر ایمان رکھتا ہو۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاید یہ بیت غلطی سے اس کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔
منجملہ اس کے جید اشعار کے یہ بھی ہے ؎ (جو اسکے معلقہ ہے)
جس آدمی کا تعلق معرضِ زوال میں ہو۔ اس سے حاجت قطع کر ڈال۔ کیونکہ دوستی کو اچھی طرح وہی نبھاتا ہے۔ جو اس کو بر موقع قطع کرتا ہے۔ کہتا ہے۔ کہ اس آدمی سے جس کی دوستی مستقیم الحال نہ ہو۔ تو حاجت کو منقطع کر دے۔ کیونکہ لوگوں میں سے احسن طریق سے دوستی کرنیوالا وہی ہے جو مناسب موقع پر احسن طریق سے اسکو قطع کرے (جبکہ اس سے مایوسی لاحق ہو) یہ قول بھی جید ہے ؎
جب تو نفس سے کوئی بات کرے۔ تو اس کو جھٹلا۔ کیونکہ نفس کو سچا جاننا اُمید کو عیب ناک کر دیتا ہے۔
کہتا ہے۔ کہ اگر تو نفس کو کسی اچھی چیز کا وعدہ اور خواہش دلائے۔ تو اس کو جھٹلا۔ اگر کسی نے اس کی تصدیق کی۔ اور اس کے بعد اس کو کہا۔ کہ تیرا انجام ہلاکت اور زوال ہو گا۔ تو یہ بات اس کی اُمید کو عیب ناک کر دیگی
اس شعر کے بعد یہ کہا ؎
ہاں تو اس نفس کی تقوی کے کاموں میں تکذیب نہ کر۔ اور اس کو اللہ تعالےٰ جلیل القدر ذات کے واسطے نیکی کی خاطر مطیع کر۔ اس نے جو "اخزہا" کہا۔ اس کا معنی ہے "اس کی سیاست کر یعنے مطیع کر"
منجملہ ان اشعار کے جن پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ وُہ اسی قصیدے کے یہ ہیں ؎

۱- کئی ایک تنگ مقامات ایسے ہیں۔ جن کو میں نے اپنے رتبہ (یا مجلس یا تقریر) اور زبان اور مناظرہ سے کشادہ کیا۔

۲- اگر ہاتھی یا فیلبان بھی کھڑا ہوتا۔ تو مجھ جیسے کے رُتبہ سے لغزش کھا کے دُور جا پڑتا۔

علمانے کہا ہے۔ کہ فیلبان کو نہ طاقت خطاب کرنے کی ہے۔ اور نہ قوت بیانیہ یا اور کوئی قوت حاصل ہے۔ جس سے اسکو بطور تمثیل کے لیا جائے۔ لیکن وُہ اس طرف گیا ہے۔ کہ چونکہ ہاتھی تمام چوپائیوں سے زیادہ قوی ہے۔ اسلئے گمان کیا۔ کہ اس کا فیلبان بھی تمام لوگوں سے قوی ہوگا۔

مصنف ابُو محمد کہتا ہے۔ کہ میرا یہ خیال ہے۔ کہ اس نے اس قول میں اَوْ کا معنے مع لیا ہے۔ گویا اَوْ کو واو کا قائمقام کیا ہے۔ منجملہ اس کے سبقت کردہ اقوال کے جن کو دوسروں نے لیا ہے۔ ایک یہ ہے ؎

اس کا حال ایسا ہے۔ جیسے معمار (یا وُہ جو شہر کو لازم پکڑے رہے۔ یا بنی ہاجر والا) کا محل۔ جس وقت وُہ معمار اسے پتیل کی چیزوں سے بنائے جو کالبد اور اندازہ کے مطابق ٹھیک بنائی گئی ہیں۔

طرماح نے اس کو لیکر یُوں کہا ؎

۱- یہ دراز قد اونٹنی معمار کے محل کی طرح ہے۔ جس کو اس نے ایسی بھٹی کی پکی ہوئی چیزوں (پختہ اینٹ) سے چپکا کر تیار کیا ہے۔

۲- وُہ اینٹیں پیمانے کے مطابق اندازہ کی گئی ہیں۔ گویا وُہ مختلف قسم کے دو اکٹھے پیدا ہونے والے بچّوں کی مانند ہیں۔ اور ان کو مصلح مرقد (جس سے اینٹوں کو لیپ لگاتے ہیں۔ چُونا گچ وغیرہ) آپس میں ملاتا ہے۔ ذوات سے مُراد اینٹیں۔ اطیمہ کے معنے بھٹی۔

اسی قسم کا سبقت کردہ قول یہ ہے۔ جس کے اندر اونٹنیوں کا ذکر کرتا ہے ؎

اس اونٹنی کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جن کے سر پر اس نے اس قدر سر پستان سے دُودھ گرایا ہے۔ کہ ان کا سر تر ہے۔

نابغہ جعدی نے اس کو لیکر یوں کہا ہے ؎

اس اونٹنی کے چھوٹے بچے ہیں۔ جن کے سر دودھ کے گرنے سے تر ہو گئے ہیں۔ اور یہ اونٹنی موسمِ گرما میں ان کے سر پر اتنا دودھ گراتی ہے۔ کہ وہ وہاں سے بہنے لگتا ہے۔ حجل سے اس کی مراد چھوٹے بچے۔

ابو محمد (مصنف کتاب) کہتا ہے۔ کہ لغت جاننے والوں میں سے مجھے ایک بزرگ نے کہا۔ کہ تمام راویانِ شعر متفق ہیں۔ کہ لبید نے اس شعر میں غلطی کی ہے ؎ (جو معلقہ کا ہے)

ان مذکورہ بالا عورتوں کے کجاوے ہر ایک اس کجاوے کی جنس سے ہیں۔ جو (کپڑوں سے) ڈھپے ہوئے ہیں۔ اور اس کجاوے کی لکڑی پر وہ دُہرا کپڑا سایہ ڈالتا ہے۔ جو کجاوہ مذکور پر پڑا ہوا ہے۔ اور وہ کپڑا رقیق سا پردہ اور منقش ہے۔ اس شخص نے کہا۔ کہ محفوف سے مراد کجاوہ اور زوج کہتے ہیں۔ نمط (یعنے جفت غلافِ فرد) کو۔ تو بھلا کس طرح نمط کپڑا اس کجاوہ پر سایہ ڈال سکتا ہے۔ حالانکہ وہ کپڑا کجاوہ کی لکڑیوں سے نیچے ہوتا ہے۔ لبید کو چاہئے تھا۔ کہ اس شعر کو یوں روایت کرتا۔ کہ بجائے زوجٌ کے زوجًا کہتا۔ زاں بعد کجاوہ کی تعریف کیطرف رجوع کرتا (یعنے علیہ کی ضمیر بجائے زوج کی طرف پھیرنے کے محفوف کی طرف پھیرتا۔ تاکہ معنی ٹھیک ہوتا) مصنف ابو محمدؒ کہتا ہے۔ کہ میں اس شیخ کی غلطی خیال کرتا ہوں۔ اور راوی لوگ اس روایت پر متفق نہیں ہو سکتے۔ جب تک عربوں سے اُسے نہ حاصل کریں۔ حالانکہ میں ان عربوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ اس نمط کپڑے کو لکڑیوں کے اُوپر بھی ڈالتے ہیں۔ اور کبھی اندر بھی مجھے خیال پڑتا ہے۔ کہ میں نے بعینہٖ ایک جنگل میں یہ حالت دیکھی۔

منجملہ اس کے سبقت کردہ اقوال کے جن کو دُوسروں سے لیا۔ ایک یہ ہے ؎

وہ آدمی ان لوگوں میں سے ہے۔ جو دامن پھیلائے ہوتے ہیں۔ اور ایسا صاحبِ لذت ہے۔ کہ گویا اس کے ظاہری چمڑے کے اندر سنہری رنگ شراب

سرایت کر گیا ہے۔

اخطل شاعر نے اسے لیکر کہا ہے

وُہ ایسا صاحب لذّت ہے۔ کہ نعمت اور خوشی بھی اس کا بوسہ لیتی ہے۔ گویا اس کی گردن کی ہڈی یعنے ہنسلی نے سُنہری رنگ کے پانی سے مسح کیا ہے (یعنی اس سے لگی ہے)

دوسرا قول اس قسم کا اس کا یہ ہے۔ جس کے اندر وُہ ایک مُردہ قوم کا ذکر کرتا ہے

ہم اور ہمارے بھائیوں نے صُبح کرنے والے اور شام کرنے والے جو عین دوپہر کو سیر کرتا ہے۔ کی ہمیشگی کی پیروی کی ہے (یعنی جس طرح آدمی صُبح کو اُٹھتا ہے۔ پھر دوپہر کو چل پھر کر شام کو آجاتا ہے۔ اسی طرح ہم سب اِنسان کر رہے ہیں۔ اور موت کے نزدیک جا رہے ہیں)۔

اس کو ایک نئے شاعر (اخیر میں آنے والا۔ غالبًا ابو نواس ہے) نے لیکر یُوں کہا ہے

وُہ لوگ کُوچ کیطرف سبقت کر گئے۔ اور ہم سب ان کے نشان قدم پر جا رہے ہیں۔

لبید کے یہ اشعار نعمان بن منذر بادشاہ کے بارے میں عُمدہ خیال کئے جاتے ہیں۔ جن کے اندر وُہ اس کی قوت نظریہ اور نشاطِ جوانی کا وصف کرتا ہے

۱۔ ہم نے (میدان شعر و سخن میں) تیر اندازی کی۔ جبکہ ابن سُلمی یعنے نعمان پُرانے اور بڑی عُمر کے پرندہ کی طرح بیٹھا ہُوا تھا جس سے حیا و شرم کیا جاتا تھا۔ اور تعظیم کی جاتی تھی۔

۲۔ نوکر چاکر کھڑے تھے۔ جن کے ساتھ ہر ایک ایسا لوٹا (شراب کا) تھا۔ کہ جب وُہ گرایا جائے (یعنی اس سے شراب گرائی جائے) تو وُہ زور سے بہنے لگ جائے۔

۳۔ دیبا کا کپڑا ان نوکروں کے جسموں سے ایسے تاجور بادشاہ کے

سامنے ننگا کر کے علیحدہ کیا جاتا تھا۔ کہ جس کا قول و فعل برابر ہے۔

۴۔ سو وُہ نوکر اپنی رفتاروں کو ڈھیلا کرتے ہوئے نہر کے ایسے پانی سے لدے ہوئے اونٹ کی طرح واپس مُڑے۔ جو باریک کیچڑ میں پھنس جائے اور باہر نکلنے کی کوشش کرے۔

لبید نے سب سے پہلے مشکوں کو بطخ سے تشبیہ دی جس کو دوسروں نے لیا۔ لبید شراب کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

وُہ سفید رنگ کی چیزوں پر شامل تھا جن کے برتن بطخوں کی مانند ہیں۔ جبکہ لوگ ان کی گردنیں اور پیٹ کو پانی سے پُر کرتے ہیں۔

بنی ضبّہ (مُضر کی شاخ ہے) کے کسی آدمی نے (جس کا نام یزید ابن طثرہ ہے) لیکر یُوں کہا ؎

۱۔ کئی دن ایسے تھے جو نیزے کے سایہ کی طرح تھے۔ ان کی لمبائی کو ہم سے مشکیزہ کے خُون (یعنے مشکیزۂ شراب) اور بانسری کے بجانے نے کوتاہ کر دیا۔

۲۔ گویا اس خالص شراب کے کُوزے یا مٹکے جو شام کو پلائی جاتی تھی ٹیڑھی چونچوں والی بطخوں کی طرح تھے۔ جو سر تک پُر تھے۔

ابوالھندی (اسی شراب کے بارے میں) کہتا ہے (یہ شخص بڑا فصیح اور مطبوع شاعر تھا۔ ادب میں کامل تھا۔ اغانی میں اس کا ذکر آیا ہے ۱۲۶ھ میں مقتول ہُوا) ؎

۱۔ ابوالھندی کو پُوری مشکیزۂ شیر سے ایسے شراب کے مٹکے بے پروا کر دینگے۔ جن کو جھاگ کی میل کچیل ذرا بھی نہیں لگی۔ (تغنی چاہئے۔ یُغنی غلط ہے)۔

۲۔ ان کا سرپوش ریشمی ہے۔ گویا ان کی گردنیں سینڈکوں کی گردن کی طرح ہیں۔ جو گرج کر کے خُوب شور کرتی ہیں۔

لبید کہتا ہے (جو معلقہ سے ہے)

یہانتک کہ سُورج نے اپنا ہاتھ سیاہ رات میں ڈالا (یعنے ڈوب گیا)

اور خوفناک جگہوں کے رخنوں کو ان کے اندھیرے نے پوشیدہ کر لیا (حتیٰ سے
پہلے کچھ محذوف ہے۔ وُہ یہ کہ میں قوم کی دیدبانی کرتا رہا)
ثعلبہ بن صُعَیرؓ (صحابی ہیں) کہتا ہے ؎
سو اُنہوں نے تہ بر تہ رکھے ہُوئے بوجھ کو یاد کیا۔ بعد اس کے کہ سُورج
نے اپنا دائیں ہاتھ سیاہ رات میں ڈالا۔ کافر سے اس کی مُراد رات ہے۔

مقامات بدیعی

(نوٹ - ان کا مصنّف ابوالفضل احمد بن حسن معروف بہ بدیع الزمان ہے - ہمدان میں ولادت پائی - پھر وہاں سے کوچ کرکے نیشاپور میں جا رہا بعد ازاں ہرآت میں رہائش پذیر ہوا - اور وہاں ہی فوت ہوا ۳۹۸ھ ۔ یہ کوئی پچاس صفحے کے قریب مقامے ہیں - علم ادب و لغت سے بھرپور ہیں مقفٰے و مسجع عبارت میں ہیں - ان کے اندر کسی جگہ علم و فضل کا حال ہے بعض موقعہ پر کسی دوسرے آدمی کا واقع بیان ہے - کسی جگہ ہنسی اور ٹھٹھا اور پھر عبرت انگیز حادثہ - ایک شخص موہوم ان کا راوی ہے جس کا نام عیسٰی بن ہشام ہے - اور ہر ایک مقامہ کا ہیرو ابوالفتح اسکندری ہے انہی مقامات کا تتبع علامہ حریری نے کیا تھا - مصنّف کے ان کے علاوہ اور بھی کئی ایک رسائل علمی ہیں) +

(۱) مقامہ قریضیہ

(جس کے اندر شعر و سخن کا چرچا ہو)

عیسٰی بن ہشام نے ہمسے بات بیان کی ہے - کہتا ہے کہ دُوری نے مجھے اپنے پھینکنے کی جگہوں میں پھینکا - یہانتک کہ جب اُس دور والے جُرجان (ایران کے صُوبہ طبرستان میں مشہُور شہر ہے) کو جا پامال کیا تو میں نے زمانے کے برخلاف زمین کے ٹکڑوں سے مدد چاہی - جن کے اندر میں آبادی کے ہاتھ کو جولانی دوں (یعنے ان کو آباد کروں) نیز مالوں کے ذریعہ سے جن کے سبب مجھے تجارت کی واقفیت ہو جائے - (یا تجارت پر خرچ کروں) ایسے شرابخانہ کے ذریعہ سے جس کو میں اپنا مرجع بناؤں اور ایسی جماعتِ دوستان جن سے میں رفاقت کروں . میں نے اپنے گھر

کے لئے دن کے دونوں اطراف (روشنی فجر و غروب آفتاب) مقرر کئے
اور اس دوکانِ شراب کو ان دونوں کے درمیان رکھا (یعنے صبح اور
دوکان پر آیا کرتا)۔ ایک دن ہم بیٹھے تھے اور علم شاعری (قریض یعنے
شعر اس واسطے مقامہ کا نام قریضیہ رکھا) اور شاعروں کا آپس میں ذکر
کرتے تھے۔ اور ہمارے سامنے ایک نوجوان بھی قریب ہی بیٹھا تھا۔ جو چپ
بیٹھا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وُہ سمجھ رہا ہے۔ اور ویسے ہی
خاموش تھا۔ گویا وُہ یہ نہیں سمجھتا۔ یہانتک کہ جب کلام نے ہمارے
ہاں پُورا میلان کیا۔ اور مباحثہ نے ہمارے اندر اپنا دامن کھینچا (یعنی
بحث زور پر آگئی) تو اس جوان نے کہا۔ کہ" واقعی تم لوگ خرمئے سردار
کو پہنچ گئے۔ اور پُورا حصہ لے چکے (یعنی اپنا اپنا کمال پُورے طور پر
ظاہر کیا) اگر مَیں چاہوں تو کچھ بولوں۔ اور پانی کی طرح (اپنے
خیالات کو) بہا دُوں۔ اور اگر کلام کروں تو گھاٹ پر اُتروں اور وہاں
سے نِکلوں (یعنے ہر ایک پہلو سے بحث کروں) اور حق بات کو قوّت
بیانیہ کے میدان میں ایسا ظاہر کردُوں۔ جس سے بہرہ آدمی بھی سُننے لگ
جائے۔ اور پہاڑی بکری (بوجہ غلبۂ شوق) پہاڑ سے نیچے اُتر آئے"۔

مَیں نے کہا۔ کہ اے فاضل آدمی! ذرا نزدیک آجا۔ کہ تیری
خواہش پُوری کی جاویگی۔ اور جو کچھ ہے۔ اس کو آگے لے آ۔ کہ تیری
ثنا و مدح ہوگی۔

اسپر وُہ قریب آگیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ مجھے سوال کرو۔ تاکہ تمہیں
جواب دُوں۔ اور سُنو تاکہ میں تعجب میں ڈالوں۔

ہم نے کہا۔ کہ شاعر امراؤالقیس کے بارے میں تو کیا کہتا ہے۔

کہنے لگا۔ کہ سب سے پہلے وُہ مکانوں اور ان کے صحنوں میں
ٹھیرا۔ (یہ اشارہ اس کے ان اشعار کیطرف ہے ؎ قِفَا نَبْكِ مِنْ
ذِكْرَى حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ۔ بِسِقْطِ اللِّوَى بَيْنَ الدَّخُولِ فَحَوْمَلِ
تَرَى بَعَرَ الآرَامِ فِي عَرَصَاتِهَا

وقیعا نھا کا تذحتب فلفل

اور صبح کی بحالیکہ پرندے ابھی اپنے آشیانوں میں تھے۔

(یہ بھی اس کے اِس مصرعہ کی طرف اشارہ ہے ع

وَقَدْ اَغْتَدِیْ وَالطَّیْرُ فِیْ وُکُنَاتِھَا)

اور گھوڑے کی تمام صفتوں سے وصف بیان کی (جیسے کہ معلقہ میں ہے ۔ بِمُنْجَرِدٍ قَیْدِ الْاَوَابِدِ ھَیْکَلٖ۔ مِکَرٍّ مِفَرٍّ مُقْبِلٍ مُدْبِرٍ مَعًا۔ کَجُلْمُوْدِ صَخْرٍ حَطَّہُ السَّیْلُ مِنْ عَلٖ) شعر گوئی روزی کمانے کے لئے نہیں کی۔ اور کلام کو محض اس کی رغبت کی وجہ سے عمدہ نہیں کہا۔ (بلکہ فطرتی طور پر) اس لحاظ سے وہ اس آدمی سے بڑھ گیا۔ جس کی زبان کسی حیلہ کی خاطر ہٹی (یعنی شعر کہے) اور جس کی انگلیوں (یعنی قلم جس سے اشعار لکھے) نے کسی رغبت و طمع کیلئے روزی تلاش کی۔ ہم نے کہا۔ کہ تو نابغہ ذبیانی کے بارے میں کیا کہتا ہے ؟

کہنے لگا۔ کہ جس وقت وُہ غصہ میں آتا ہے۔ فحش بکتا ہے۔ اور جب اس کو طمع ہوتا ہے۔ تو مدح کرتا ہے۔ اور جب خوف ہوتا ہے۔ تو عذر پیش کرتا ہے (یہ ساری مختلف حالتیں اس کے مکمل دیوان سے معلوم ہو سکتی ہیں) تو گویا ہمیشہ ٹھیک نشانہ پر تیر چلاتا ہے۔

ہم نے کہا۔ کہ بھلا زہیر کی بابت تیری کیا رائے ہے ؟

کہا۔ کہ وُہ شعر کو پگلاتا ہے (بوجہ اس کے پُر سوز اور رقت آمیز اشعار کے) اور شعر اُسکو۔ نیز کلام کو پکارتا ہے۔ تو جادو اس کو جواب دیتا ہے (یعنے شعر کہنے کے وقت جادُو کا سا اثر ڈال دیتا ہے)۔

ہم نے کہا۔ کہ اچھا طرفہ کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے ؟

کہا۔ کہ وُہ تو شعروں کی رونق اور ان کی سرشت ہے (یعنے بالطبع شعر کہتا ہے) اور قافیوں کا خزانہ اور ان کا شہر ہے۔ (یعنے قادر الکلام ہے) مرنے کے وقت تک اس کے پوشیدہ اسرار ظاہر نہ ہو سکے۔ نہ اس کے

خستہ الوں کے بند شدہ دروازوں کو کوئی کھول سکا۔

ہم نے کہا۔ تیری کیا رائے ہے۔ کہ جریرؔ اور فرزدقؔ میں کون سا بڑھا ہوا ہے؟

کہنے لگا۔ کہ جریر تو رقت والے شعر کہتا ہے۔ جو نہایت ہی (معانی اور خوبیوں میں) بھرپور ہیں۔ لیکن فرزدق ذرا سخت چٹان والا (یعنی سنجیدہ اور برجستہ شعر والا) ہے۔ اور بہت فخر کرتا ہے۔ جریر تو ہجو بڑی بُری کرتا ہے۔ اور مدح شریف اور بزرگ طور پر بیان کرتا ہے۔ فرزدق قصد و رغبت زیادہ کرتا ہے۔ اور اپنی قوم میں زیادہ مکرّم ہے۔ جریر جس وقت نسیب (عورت کے جمال وغیرہ کی تعریف کرنا۔ اسے تشبیب بھی کہتے ہیں) لکھتا ہے۔ تو غم کے مارے رُلا دیتا ہے۔ جب عیب لکھتا ہے۔ تو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ اور جب مدح کہتا ہے تو بلندی تک پہنچا دیتا ہے۔ فرزدق جب فخر بیان کرتا ہے۔ تو پوری طرح پر کرتا ہے۔ اور جب کسی کو حقیر کرتا ہے۔ تو بُری طرح عیب ناک کر دیتا ہے۔ اور جب وصف بیان کرتا ہے تو مکمل طور پر۔

ہم نے کہا۔ کہ پہلے زمانے کے اور پچھلے زمانے کے شعرا کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟

کہنے لگا۔ کہ پہلے زمانے کے تو بزرگ اور عمدہ الفاظ استعمال کرتے ہیں جن میں معانی کی کثرت ہے۔ مگر پچھلے زمانے والے رقّت اور لطافت والی ساخت کے اشعار کہتے ہیں۔

ہم نے کہا۔ کہ کاش کہ تو ہمیں چند اپنے اشعار دکھاتا۔ اور اپنے حالات بیان کرتا۔

کہنے لگا۔ کہ ان دونوں باتوں (کلام اور حالِ زندگی) کو ایک ہی میدان و موقع میں لو۔ اور یوں کہنا شروع کیا ؎

ا۔ کیا تم مجھے نہیں دیکھتے۔ کہ میں پھٹی پرانی چادر پہنے ہوئے ہوں اور سخت کڑی تکلیف پر سوار ہوں۔

۲- ناتوان (گردشِ ایام) کے برخلاف تشنگی و کینہ کو بغل میں لئے ہوئے ہوں۔ اور ان سے سخت گردشیں برداشت کرتا ہوں (غمرٌ کے معنے تشنگی و کینہ اور غمرٌ کو معنی یہ ہے۔" اسقدر کہ بازوؤں کے نیچے آسکے)۔

۳- میری اُمیدوں کا غایت درجہ ستارہ شِعریٰ (ایک اونچا اور باریک سا ستارہ ہے۔ اسی نام کے دو ہیں۔ دونوں اختِ سہیل ہیں) کا طلوع کرنا ہے۔ (میری خواہشیں دُور و دراز جا پڑی ہیں) فی الواقع عمر بھر میں ان خواہشات سے رنج و عنا رہا۔

۴- یہ شخص جو آزاد و شریف ہے۔ پہلے صاحبِ قدر تھا۔ اور اس کے چہرے کی رونق گراں نرخ پر تھی۔

۵- خلوت، و راز کے لئے میں سبز گُنبد لگا رکھے تھے۔ جو یا تو دارا گشتاسپ (کیانیوں کا پانچواں بادشاہ۔ زردشت کا مذہب اسی کے عہد میں جاری ہوا۔ اسنے خود قبول کرکے اس کو کمال ترقی دی۔ ہندوستان کا بہت سا علاقہ فتح کیا تھا۔ سقراط اسی کے زمانے کا دانشمند تھا۔ ۰۰ سال کی سلطنت) کے گھر یا ایوان کسریٰ (نوشیروان اعظم بن قباد بڑا عظیم الشان اور عادل گزرا ہے۔ ساسانیوں کا بیسواں بادشاہ تھا۔ ۵۳۱ء سے ۵۷۹ء تک سلطنت کی۔ ہمارے رسول اکرمؐ اسی کے عہد میں پیدا ہوئے) میں تھے۔

۶- اس کے بعد زمانے نے اپنی پشت کو اُلٹا دیا۔ اور عمدہ سے عمدہ زندگی میرے لئے خراب ہو گئی۔

۷- میرے مالِ موفور سے سوائے ایک تذکرہ کے اور کچھ باقی نہ رہا۔ اس کے بعد آج کے دن تک اسی طرح قیاس کرلے۔

۸- اگر میری بڑھیا (ماں) مقام سُرَّ من رای (لفظی معنی جس نے دیکھا وہ خوش ہو گیا۔ جس کو معتصم باللہ خلیفہ نے بنایا تھا۔ دجلہ کے کنارے پر ایک پُر رونق شہر ہے۔ اسے سامرہ بھی کہتے ہیں) اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے مقام بُصریٰ (صوبہ شام کے علاقہ دمشق میں ایک شہر ہے۔ اور بغداد میں ایک بستی ہے۔ نیز جسرین کے مابین ایک پہاڑ ہے) کے پہاڑوں کے اسطرف نہ ہوتے۔

۹- جن پر زمانہ مُصیبت لایا ہُوا ہے۔ تو اے سردار لوگو! ئیں صبر کر کے اپنے آپ کو مار ڈالتا۔

عیسیٰ بن ہشام کہتا ہے۔ کہ اس پر مَیں نے جو میسّر ہو سکا اس کو دے دیا اور ہم سے کنارہ کر کے وُہ چلا گیا۔ مَیں اس کی نفی اور اثبات کرنے لگا (اسکی تشریح آگے آتی ہے) کبھی تو اسکا انکار کرتا تھا۔ اور کبھی گویا اس کو پہچانتا تھا۔ اس کے بعد مجھے اس کے اگلے دانتوں نے اس کا پتہ دیا۔ تو مَیں نے کہا۔ کہ یہ تو ابوالفتح اسکندری ہے۔ اللہ کی قسم! یہ تو ایک چھوٹے بچّے کی حالت میں ہم سے جُدا ہُوا تھا۔ اب بڑا مضبُوط جوان ہو کر ہم سے مِلا۔ مَیں اُٹھ کر اس کے نشانِ قدم پر گیا۔ تب اس کی کمر سے پکڑ لیا۔ اور کہا کہ تُو ابوالفتح نہیں ہے۔ کیا ہم نے تجھے اپنے ہاں لڑکا کر کے نہیں (پالا تھا۔ اور کیا تُو نے ہمارے اندر اپنی عُمر کے کئی سال نہیں گوارے (یہ قرآن شریف کا اقتباس ہے) مقام سامرہ میں تیری کونسی بڑھیا ہے۔ اس پر وُہ ہنس پڑا۔ اور کہنے لگا ؎

۱- تجھ پر رحم ہو! یہ زمانہ تو دھوکا بازی کا ہے۔ پس چاہیے۔ کہ دھوکا و فریب تجھے بھُلا نہ دیں۔ (یہ بھی قرآن پاک سے ہے)۔

۲- تو ایک حالت کو لازم نہ پکڑ۔ بلکہ جیسے راتیں گردشیں کرتی ہیں۔ اسی طرح تو بھی گردش کرتا رہ ؞

(۲) مقامہ آزاذیہ

عیسیٰ بن ہشام نے ہمسے روایت کی ہے۔ وُہ کہتا ہے۔ کہ میں بغداد میں تھا۔ جبکہ آزاذ (ایک قسم کی لذیذ خُرما ہے) کا وقت تھا۔ مَیں باہر نکلا تاکہ اس میوہ کی ہر ایک قسم کو خریدوں۔ میں نزدیک ہی ایک آدمی کے پاس گیا جس نے ہر ایک قسم کے میوے جمع کئے ہوئے تھے۔ اور ان کو ترتیب وار رکھا تھا اور ہر ایک جنس کے خرمالے تر اکٹھے رکھے تھے۔ اور ان کی قطاریں بنا رکھی تھیں۔ مَیں نے ہر ایک جنس سے عُمدہ عُمدہ اور خالص چُن لیں۔ اب جس وقت کہ میں ان بوجھ والی چیزوں سے چادر کے کناروں کو بھر چکا تھا۔ میری نگاہ ایک آدمی پر جا پڑی جس

نے اپنا سر حیا و شرم کے بُرقع سے ڈھانپ رکھا تھا۔ جسم سیدھا کئے ہوئے تھا۔ ہاتھ پھیلا رکھے تھے (برائے سوال)۔ اپنے عیال کو چھاتی سے لگا رکھا تھا اور اپنے بچوں کو بغل میں لے رکھا تھا۔ اس حالت میں وُہ ایسی آواز کے ساتھ جو ضُعف کو اس کے سینے میں واپس لاتی تھی۔ اور تنگیٔ جان کو اس کی پیٹھ میں لاتی تھی۔ کہہ رہا تھا ؎

۱۔ میرا واویلا اور فریاد ستو کے آٹے کی دو مٹھیوں کے واسطے ہے۔ یا ایسی چربی کے لئے جو باریک آٹے سے ملائی جاتی ہے۔

۲۔ یا ایسا تھال جو شوربا (خُردلق معرب ہے خوردیک کا) سے بھرا ہوا ہو اور ہم سے لعابِ دہن (یا وقتِ نزع) کے حملوں اور تکلیفوں کو ہٹالے۔

۳۔ اور ہمیں اس (ٹیڑھے اور مشکل) راستے سے سیدھا کردے (آگے دُعا مانگتا ہے) اے تنگی کے بعد مال و دولت بخش کرنے والے۔

۴۔ یہ بات تو ایسے دانا۔ ذی حسب اور صاحبِ اصل نوجوان کے ہاتھ پر آسان کردے۔

۵۔ کہ وُہ ہماری طرف قدم توفیق آگے رکھے۔ اور ہماری زندگی کو تکلیف کے ہاتھ سے چھڑا دے۔

عیسٰی بن ہشام کہتا ہے۔ کہ اس پر میں نے کیسہ سے کچھ رقم نکالی۔ اور اسکو پکڑا دی۔ تو کہنے لگا ؎

۱۔ اے وُہ جس نے احسانِ جمیل سے مجھے قید کیا (یا مجھ پر عنایت کی) اللہ پاک کیطرف اپنی عمدہ خلوت میں میلان کر۔

۲۔ اللہ تعالٰے کے سترِ جمیل (عیبوں کو عمدہ طور سے پوشیدہ کرنا) کا دل میں خیال کر۔ گو مجھے اس کے شکریہ کی طاقت نہیں۔

۳۔ لیکن میرا پروردگار اپنے اجر کے ورے ہے (یعنی ضرور تمہیں اجر دیگا)

عیسٰی بن ہشام کہتا ہے۔ کہ اسپر میں نے اس کو کہا۔ کہ میری جیب میں زاید رقم بھی ہے۔ مجھے اپنی اندرُونی حالت ظاہر کر۔ تو مَیں تمہیں اور نکال کردُونگا اس نے جو اپنے سر کا پردہ دُور کیا۔ تو کیا دیکھا۔ کہ وُہ ہمارا شیخ

ابو الفتح اسکندری ہے۔

مَیں نے کہا۔ کہ خُدا تم پر رحم کرے۔ تُو کیا بلا بنا پھرتا ہے۔

اس پر اُس نے کہا : ۔

۱۔ تو اپنی زندگی اس طرح گذار۔ کہ لوگوں کو شک اور فریب میں رکھے۔

۲۔ کیونکہ مَیں زمانے کو دیکھتا ہُوں۔ کہ ایک حال پر نہیں رہتا۔ اس لئے میں بھی اس کے مشابہ بن جاتا ہُوں۔

۳۔ پس ایک دن تو اس کی بُرائی میرے بارے میں ہے۔ اور دوسرے دن میری اس کے بارے میں ⁂

(۳) مقامہ بلخیہ

عیسٰی بن ہشام نے ہم سے بیان کیا ہے۔ کہتا ہے۔ کہ نرم کپڑے کی تجارت مُجھے مقام بلخ کیطرف لے اُٹھی۔ دراں حال کہ مَیں عین اُٹھتی جوانی والا اور فارغ البال تھا۔ اور دولتمندی کے زیور سے آراستہ۔ سوائے فکر کے بچھیرے کے مُجھے کوئی چیز غم میں نہیں ڈالتی تھی۔ جس کو مَیں اپنے مطیع کر دوں۔ یا سوائے کلمات کے بھاگنے والے جانوروں کے جن کا میں شکار کرتا تھا (مطلب یہ ہے۔ کہ ہر وقت فِکر و تامل سے اشعار گوئی کرتا تھا) پس تمام سفر بھر کسی آدمی کی جو میری کلام سے زیادہ فصیح ہو۔ آواز میری کانوں میں نہ پڑی۔ اب جبکہ جدائی نے اپنی کمان ہم پر ٹیڑھی کی۔ یا قریب تھا۔ کہ ایسا کرے۔ تو میرے پاس ایک نوجوان ایسے لباس میں آیا۔ جو آنکھوں کو بھر دے (یعنی رُعب میں ڈال دے) ڈاڑھی ایسی تھی۔ کہ کانوں کی جگہ تک پہنچتی تھی۔ آنکھ ایسی کہ گویا دو امداد کرنے والوں (دجلہ و فرات) کا پانی پی چکی تھی۔ وہ شخص مجھے ایسے بلند درجے کے احسان سے ملا۔ کہ مَیں نے اس کی مدح و ثنا میں زیادتی کی۔ ازاں بعد مجھے کہنے لگا۔ کہ کیا تو سفر میں جانے کا اِرادہ رکھتا ہے۔ مَیں نے کہا۔ کہ بخدا ! ہاں ! کہنے لگا۔ کہ خدا کرے کہ تیرا پیشرو لشکر (جو آب و گیاہ تلاش کرے) سرسبز ہو۔ اور تیرا رہبر گمراہ نہ ہو۔ بھلا کس وقت کا عزم رکھتا ہے۔ مَیں نے کہا۔ کل صُبح سویرے۔ اس پر اس نے کہا : ۔

اللہ تعالےٰ ایسی صُبح لادے۔ کہ وُہ روانگی اور علٰحدگی کی نہ ہو۔ وصل کی فال نیک ہو۔ نہ کہ فراق کی فالِ بد۔

کہاں کا ارادہ رکھتا ہے؟

مَیں نے کہا وطن کا۔

کہنے لگا۔ کہ بس تو وطن پہنچگیا (یہ دُعائیہ ہو) اور اپنی حاجت روائی کرچکا

بھلا کب واپسی ہوگی؟

مَیں نے کہا۔ کہ اگلے سال۔

کہنے لگا۔ کہ تُونے تو اپنی چادرِ یک تخت کو لپیٹ لیا۔ اور تاگہ کو بل دے دیا۔ (یعنے یہ تو بڑی مدت لگے گی)

بھلا سخاوت میں تو کس درجہ کا ہے (یا یہ کہ تو کس اصل سے ہے)

مَیں نے جواب دیا۔ کہ جس حیثیت سے تو چاہے۔

کہنے لگا۔ کہ جس وقت اللہ تعالےٰ تمہیں اس راستہ سے صحیح سالم واپس لوٹا دے۔ تو میرے لئے دوست والی چادر میں ایک ایسا دُشمن اپنے ساتھ لانا۔ جو پیلے رنگ کی جنس سے ہو (یا سونے کی اصل سے ہو۔ مُراد اس سے دینار ہے۔ وجہ شبہ آگے ظاہر ہوجائیگی) وُہ کفر کیطرف بلائے (کیونکہ بسا اوقات دولت کی کثرت کفر تک پہنچا دیتی ہے) اور آنکھ کی گولائی کی طرح اپنے ناخن کے بل ناچے۔ قرضہ کے بوجھ کو اُتار دے اور رُوئی سے منافقت کرے (کیونکہ دونوں طرف کے رنگ مختلف رکھتا ہے)۔

عیسٰی بن ہشام کہتا ہے۔ کہ اس سے مَیں نے جان لیا۔ کہ وُہ دینار مانگتا ہے۔ تب مَیں نے اس سے کہا۔ کہ یہ تو تیرے لئے نقد رقم ہے۔ اور اتنے کا وعدہ ہے

اس پر وُہ یہ پڑھنے لگا ؎

۱۔ تیری رائے اُس چیز کی نسبت جو مَیں نے طلب کی۔ بہت عالی ہے۔ خدا کرے کہ تو ہمیشہ بزرگیوں والا رہے!

۲۔ تو ٹھوس لکڑی والا (یعنے خالص ذات والا) اور دائم الجود ہے۔ اصل کے لحاظ سے تو پاکیزہ ہے۔ اور فرع کے لحاظ سے سب سے فائق۔

۳۔ نہ مَیں اس عطا کا بار اُٹھا سکتا ہُوں۔ اور نہ ہی سوال کے بوجھ کی طاقت

رکھتا ہوں۔

۴۔ میں تیری انتہائے کمال کے ظن سے بھی قاصر ہوں۔ بلکہ جس چیز کا میں نے ظن کیا ہے۔ تو عملاً اس سے بڑھ گیا ہے۔

۵۔ اے وُہ جو زمانے اور بلندیوں کا سہارا ہے۔ خدا کرے۔ کہ زمانہ تیری (موت کی) وجہ سے بے اولاد اور محرُوم نہ ہو جائے۔

عیسیٰ بن ہشام کہتا ہے۔ کہ اسپر میں نے اسکو دینار دیدیا۔ اور کہا۔ کہ اس بزرگی (والے) پیدائش کا گھر کہاں ہے؟

کہنے لگا۔ کہ قریش نے میری نشو و نما کی۔ اور قبیلہ شرف (شرف ویسے موضع کا نام بھی ہے) نے اپنی سنگلاخ زمینوں میں (جہاں سے پانی بہتا ہے) میرے لئے جگہ آراستہ کی۔ (یا قریش ہی نے میرے لئے بزرگی تیار کی۔)

اسپر کسی حاضر شدہ آدمی نے کہا۔ کہ کیا تو ابوالفتح اسکندری نہیں ہے۔ کیا میں نے تمہیں عراق میں نہ دیکھا تھا۔ کہ تو بازاروں میں گھومتا پھرتا تھا۔ اور چاندی کے سکوں کے سوال کی تکلیف اُٹھاتا تھا۔ اسپر اُسنے پڑھنا شروع کیا ؎

۱۔ اللہ تعالےٰ کے ایسے بندے بھی ہیں۔ جنہوں نے اپنی عُمر کو ایک ہی چیز بنا لیا ہے۔

۲۔ سو کبھی تو وُہ عرب کے بادیہ نشین آدمیوں کی حالت میں شام کرتے ہیں۔ اور کبھی بناطی بنکر صُبح کرتے ہیں (نباطی وُہ گروہ مردم تھا۔ جو عراقین کے مابین سنگلاخ زمینوں میں آباد ہو گیا تھا) ❖

(۴) مقامہ سجستانیہ

(سجستان معرب سیستان۔ مشرق میں شہر ہے)

عیسیٰ بن ہشام نے ہم سے روایت بیان کی۔ وُہ کہتا ہے۔ کہ ایک حاجت مجھے مقام **سجستان** کیطرف ہانک لے چلی۔ جس کی نیت و قصد کو میں نے بیٹھک بنا لی اور جس کی سواری پر میں سوار ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ سے میں نے اپنے اس عزم کے لئے طلب خیر کی۔ جس کو میں نے پیشِ نظر رکھا۔ اور اس دُور اندیشی کے لئے بھی جس کو

میں نے اپنا امام پیشرو بنایا۔ یہانتک کہ وُہ مجھے اس شہر تک لے چلی میں جو اس کے پہاڑی راہوں سے جا گزرا۔ تو اس وقت سُورج غرُوب ہونے والا تھا۔ جس جگہ میں جا پہنچا۔ وہاں ہی رات گذارنے کا اتفاق ہُوا۔ اب جبکہ صُبح کی تلوار کا پھل سونتا گیا۔ اور چراغ صُبح کا لشکر جلوہ گر ہُوا۔ تو میں بازار کی طرف گیا۔ تاکہ وہاں کوئی مکان پسند کروں۔ اب جس وقت میں دائرہ بلا سے اس کے نقطہ کی طرف (یعنے سارے شہر کو گھوم کر مرکز والی جگہ کی طرف) اور تمام بازار کے گردن کے مارے گُذر کر اس کے درمیانی بڑے موتی کے پاس پہنچا۔ تو میں نے ایک آواز سُنی۔ جو ہر ایک رگ سے دردرسیدہ تھی۔ میں اس کی طرف چل کر گیا۔ یہانتک کہ میں اسکے پاس ٹھیر گیا۔ کیا دیکھتا ہُوں۔ کہ ایک مرد اپنے گھوڑے پر سوار تھا۔ اور اس کا گھٹا ہُوا تھا۔ اس نے مجھے گھوڑے کے سر کا پچھلا حصہ پکڑا دیا۔ اس حالت میں وُہ کہتا تھا کہ جو شخص مجھے پہچانتا ہے۔ وُہ تو خیر پہچانتا ہی ہے۔ ہاں جس کا مجھ سے تعارف نہیں چلئے میں خود اپنا تعارف اُس سے کراتا ہُوں۔ میں یمن کے علاقہ کا تازہ پھل (نامور آدمی) ہُوں۔ اور زمانے کا عجوبہ۔ تمام لوگوں کا میں منظورِ نظر (لفظی معنے۔ وُہ جس کے لئے دعوت کرتے ہیں۔ یعنے اسکو بُلاتے ہیں) اور پردہ نشین شریف زادیوں کی ایک پہیلی ہُوں (یعنے وُہ مجھے دیکھکر حیران ہیں) بھلا مُجھ سے تمام علاقوں اور وہاں کے ٹیلوں کا۔ پہاڑوں اور وہاں کی سخت زمینوں کا۔ وادیوں اور ان کے درمیانی نرم زمینوں کا۔ سمندروں اور ان کے چشموں کا۔ اور گھوڑوں اور ان کے جسموں کا حال پُوچھو۔ وُہ کون شخص ہے۔ جو ان کے شہر پناہوں کا مالک ہُوا۔ اور ان کے بھیدوں کا واقف ہُوا۔ ان کے رستوں پر چلا۔ اور انکی سخت پتھریلی زمینوں کے اندر سے گھس گیا بیشک مجھے بادشاہوں اور ان کے خزانوں کا۔ بند شدہ مقامات اور ان کی معدنیات کا تمام امور اور ان کے اندرُونی رازوں کا۔ علوم اور ان کے موقعوں کا خطرناک جگہوں اور ان کے مشکل مقامات کا۔ جنگوں اور ان کے تنگ و تاریک موقعوں کا حال دریافت کرو۔ بھلا وُہ کون شخص ہے۔ جس نے ان مقامات کی چابیوں پر قبضہ کیا ہُوا ہو۔ اور ان کی مصلحتوں سے واقف ہُوا ہو۔ بخدا۔ میں نے یہ سب کام کئے ہیں۔ متکبر بادشاہوں کے ہاں سفر کیا ہے۔ اور سیاہ اور سخت خطروں کے پردوں کو کھولا

ہے۔ واللہ! میں نے تو عاشقوں کے بچھڑ جانے کی جگہیں دیکھی ہیں۔ اور
(معشوقوں کی) پلکوں کی بیماری میں بیمار رہا ہوں۔ لطیف اندام عورتوں کی
شاخوں کو ہلایا ہے۔ اور سُرخ رخساروں کے گلابوں کو چُنا ہے۔ باوجود ان باتوں
کے دُنیا سے بھی ایسا بھاگا ہُوں۔ جیسے سخی آدمی کی طبیعت کنجوسوں (کے چہرے)
سے متنفر ہوتی ہے۔ اور مقاماتِ رُسوائی سے ایسا بلند (اور علیحدہ) رہا ہُوں
جیسے شریف آدمی کے کان کسی ناشائستہ کلام سے۔ اب جبکہ بڑھاپے کی صُبح
نمودار ہُوئی۔ اور بزرگی کی شان و شوکت غالب آگئی۔ تو میں نے یہ مستقل ارادہ
کیا۔ کہ آخرت کی اصلاح کیلئے توشہ کے تیار کرنے کروں۔ پس میں نے اس
طریقہ سے جس پر میں چل رہا ہُوں۔ اصلاح کی طرف زیادہ ہدایت دینے والا نہ دیکھا
تُم لوگوں میں سے کوئی نہ کوئی مجھے دیکھتا ہے۔ کہ میں گھوڑے پر سوار ہُوں۔ اور
ایک پُرانے سے کپڑے کو منتشر کر کے پھیلایا ہُوا ہے (جو بس غلط معلوم ہوتا ہے برس
جانا چاہئیے) تو دِل میں کہتا ہے۔ کہ یہ آدمی تو بڑا عجیب ہے۔" نہیں بلکہ میں تو بہت
سارے عجائبات والا ہُوں۔ جن کو میں نے آنکھوں سے دیکھا۔ اور ان کی تکلیف
برداشت کی۔ میں بہت سے بڑے بڑے کاموں کی ماں اور اصل ہُوں۔ جن کو میں نے
قیاس کیا۔ اور ان کو پھیلا۔ میں پیچیدہ امور والا ہُوں۔ ان میں جو سخت تر ہے۔ ان
کو تو میں نے پالیا۔ جو آسان تھے ان کو ضائع کر دیا۔ جو گراں قیمت تھے۔ ان کو
خرید لیا۔ اور جو ارزاں تھے ان کو بیچ ڈالا۔ بخدا۔ میں تو ان کی خاطر بہت
سارے شاہی لشکروں میں شامل ہُوا۔ لوگوں کے کندھوں سے مزاحمت کی۔
اختر شماری کی۔ اور گھوڑوں کو مشقت دیکر خُوب لاغر کیا۔ اس طریق سے میں
نے اپنی تکالیف کو دفع کیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے یہ منت مانگی۔ کہ میں مسلمانوں
سے ہرگز اس کا نفع لیکر ذخیرہ نہیں کروں گا۔ اب میرے لئے ضرُوری ہے۔ کہ میں
اس امانت کی رسّی کو اپنی گردن سے اُتار کر تمہاری گردن میں ڈالوں۔ اور تمہارے
بازاروں میں اپنی اس دوائی کو پیش کرُوں۔ پس چاہئیے۔ کہ اس کو مجھ سے وُہ آدمی
خرید لے۔ جو بندوں کے ٹھہرنے کی جگہ (عرصاتِ قیامت) کا مخالف نہیں ہے۔ اور
نہ وُہ کلمۂ توحید سے نفرت کرتا ہے۔ وہی آدمی اسے محفوظ کر رکھے جسکے آباؤ اجداد

نجیب الطرفین ہیں۔ اور جس کی لکڑی پاک پانی سے سیراب شُدہ ہے (یعنے پاک نسل سے ہے)۔

عیسےٰ بن ہشام کہتا ہے۔ کہ اس پر میں نے اس کے چہرے کیطرف گھوم کر دیکھا۔ تاکہ اس کو پُوری طرح جان لُوں۔ کیا دیکھا۔ کہ وُہ تو ہمارا یار ابوالفتح اسکندری ہے۔ مَیں شتر مُرغ جیسی تیز چال سے اسکے سامنے ہو کر گیا۔ اور کہا۔ کہ بھلا یہ تیری دوائی کتنے کو مِل سکتی ہے۔ کہنے لگا۔ کہ ساری جیب (رقم کی) اس کے لئے چاہیئے (یا جسقدر تُو چاہے۔ کہ جیب سے کھول کر دیدے) مگر مَیں نے اس کو ترک کر دیا۔ اور واپس چلا گیا ÷

(۵) مقامہ کُوفیہ

عیسیٰ بن ہشام نے ہم سے بیان کیا ہے۔ وُہ کہتا ہے۔ کہ جبکہ مَیں جوان عُمر کا تھا۔ تو ہر ایک مشکل اور نامعلوم جگہ کی طرف اپنا کجاوہ باندھتا (اور سفر کرتا) تھا۔ اور ہر ایک گمراہ اور خطرناک مقام کی طرف اپنا تیز گھوڑا دوڑاتا تھا۔ یہانتک کہ مَیں نے اپنی عُمر کا نہایت ہی خوشگوار پانی پیا۔ اور زمانے کی کُشادہ زرہ پہنی (یعنی زندگی میں ہر ایک مُراد حاصل کی) اب جبکہ میری رات (جوانی) کیطرف سے دن (بڑھاپا) پھُوٹ نِکلا۔ اور مَیں نے آخرت کے لئے اپنا دامن اکٹھا کیا۔ تو مَیں نے ریاضت کی پشت کو اُمور فرض کردہ کے بجا لانے کی خاطر پامال کیا (مُراد یہ ہے کہ حج کرنے کو چلا) رستے میں ایک ایسا رفیق ساتھ ہو پڑا۔ جس کا مَیں نے بوجہ کسی بُرائی کے انکار نہ کیا (یعنے اس کو ترک نہ کیا) اب جبکہ ہم خوب جولانی اور تیز گامی سے چل رہے تھے۔ اور ایک دوسرے کو اپنے حالات سے خبر دے رہے تھے۔ تو قِصّہ اور گفتگو نے یہ ظاہر کیا۔ کہ وُہ کوفہ کا رہنے والا اور صُوفی مذہب کا آدمی ہے۔ ہم چلتے رہے جس وقت کُوفہ میں جا نازل ہُوئے۔ تو ہم نے اُس یار کے گھر کی طرف میلان کیا۔ اور اس کے اندر داخل ہوئے۔ اس وقت سُورج کا چہرہ

پھوٹ پڑا تھا۔ اور اس کے کنارے سبزی مائل تھے (یعنے صبح نکلنے والی تھی)۔ اب جس وقت رات کی پلک بند ہو گئی۔ اور سو گئی۔ اور اس کی مونچھیں کاٹ ڈالی گئیں (یعنے سیاہی جاتی رہی) تو ہم پر دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ ہم بول اُٹھے۔ کہ بھلا کون دروازہ کھٹکھٹانے والا۔ اور نوبت بہ نوبت آنے والا ہے۔ اس پر اُس آدمی نے کہا۔ کہ بندہ تو رات کا وفد اور اسکا قاصد ہے۔ بھوک کا شکستہ اور راندہ ہُوا۔ ایسا شریف آزاد آدمی ہے۔ کہ جس کو تکلیف اور مُصیبت کے وقت نے آگے سے کھینچا ہُوا ہے۔ ایک مہمان ہے۔ جس کی جائے قدم ہلکی سی ہے (یعنی میزبان کو تھوڑی تکلیف دیگا) اور جس کی گُم شدہ چیز ایک روٹی ہے۔ ایسا ہمسایہ کہ جو بھوک کے برخلاف امداد چاہتا ہے۔ ایسا دوست جو پھٹے پُرانے کپڑے والا دیا خوار و ذلیل ہے) اور ایسا مُسافر کہ اس کے نشانِ قدم (یا دستر خوانوں) پر آگ روشن کی جاتی ہے۔ اور جس کے پیچھے کُتے بھونکتے ہیں اِس کے پیچھے کنکریاں پھینکی جاتی ہیں۔ اس کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں میں چھپ رہتے ہیں۔ اب اس کا لاغر اونٹ بڑا زخمی اور خوار ہے (یعنی اس کی زندگی خراب ہے) اور زندگی ایک گونہ مشقت ہے۔ اس کے دو بچوں کے اس طرف بڑے وسیع اور بے آب و گیاہ جنگل ہیں۔

عیسٰی بن ہشام کہتا ہے۔ کہ اس پر میں نے اپنی جیب سے ایک مُٹھی لی۔ جیسے کہ شیر پنجے سے کسی چیز کو پکڑتا ہے۔ اور اس کو دیدی اور یہ بھی کہا۔ کہ اگر تُو نے سوال میں زیادتی کی۔ تو ہم سخاوت میں زیادتی کرینگے۔ کہنے لگا۔ کہ عُود کی لکڑی (جس سے خوشبو نکلتی ہے) کی خوشبو سخاوت کی آگ سے زیادہ کسی گرم چیز پر پیش نہیں کی گئی (یعنی تو عُود کی لکڑی کی طرح ہے۔ جس طرح اسکو آگ میں ڈالنے سے اس کی خوشبو پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح جب تو سخاوت کریگا۔ تب تیری عزت و لیاقت ہے) اور احسان کا وفد شکر کے قاصد سے کسی دوسرے اچھے آدمی کو نہیں ملا۔ (یعنی اعلےٰ احسان وہی ہے۔ جس کا دُوسرے کی طرف سے شکریہ ادا

کیا جائے۔ سو میں بھی ایسا کروں گا) جو شخص بزرگی و دولت کا مالک ہو۔ اس کو لوگوں کی غمخواری کرنی چاہئے۔ کیونکہ احسان اور نیکی اللہ تعالےٰ اور لوگوں کے درمیان کبھی ضائع نہیں جائیگی۔ باقی رہی تو سو اللہ تعالےٰ تمہاری اُمیدوں کو سچا کردے۔ اور تیرے لئے اُونچا ہاتھ (اور بلند مرتبہ) کرے۔

عیسٰی بن ہشام کہتا ہے۔ کہ اسپر ہم نے اس کے لئے دروازہ کھولدیا اور کہا۔ کہ اندر آجا۔ دیکھا تو وُہ بخدا ہمارا یار ابو الفتح اسکندری تھا میں نے کہا۔ اے ابو الفتح! تیری غریبی اس درجہ تک پہنچگئی (یا یہ جو تیری غریبی کی حالت ہے اسی پر اپنے آپ کو مضبوط رکھ جنضا صہ کے معنے سور کے بھی ہوتے ہیں) اور یہی لباس (مکاری کا) تیرے لئے مخصوص ہے۔ اسپر وُہ مسکرایا۔ اور یُوں کہنا شروع کیا ؎

۱۔ تجھے وُہ حالت جس کے اندر میں ہُوں۔ یعنے طلب و سوال دھوکے میں نہ ڈال دے۔

۲۔ میں تو ایسی دولت والا ہُوں جس کے لئے خوشی اور عیاشی کی چادریں پھاڑی جاتی ہیں۔

۳۔ اگر میں چاہوں۔ تو اپنی چھتوں کو سونے سے بنادُوں ٭

(۳۲) مقامہ اسدیہ

عیسٰی بن ہشام نے ہم سے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ کہتا ہے کہ ابو الفتح اسکندری کے اس قدر مقامات (یعنی مجلسیں یا اس کی تقریریں) اور مقالات (دُوسروں سے گفتگوئیں) مجھے پہنچتے رہتے تھے۔ جن کو نفرت کرنے والا آدمی بھی کان دھر کر سُنتا تھا۔ اور چھوٹی چھوٹی چڑیاں (خوشی اور قبولِ تاثیر کی وجہ سے) اس کے لئے اپنے پر پھڑپھڑاتی تھیں۔ ہمارے پاس اس کے ایسے اشعار روایت کئے جاتے تھے۔ جو اپنی لطافت کی وجہ سے نفس کے اجزا سے مل جاتے تھے۔ اور اپنی دقتِ معانی کے باعث

کاہن (آئندہ کی خبریں دینے والے) لوگوں کے ذہنوں سے بھی پوشیدہ تھے۔ میں اللہ تعالٰے سے اس کی بقائے زندگی کا سوال کیا کرتا تھا۔ تا کہ میں اسکی ملاقات حاصل کروں۔ لیکن میں تعجب کرتا تھا۔ کہ باوجود اسکے حُسنِ آلہ (یعنی عمدہ لیاقت) کے وُہ اپنی حالت پر پست ہمتی کئے ہوئے ہے۔ مگر زمانے نے اس کے ورے (یعنی اس کے ملنے کے لئے) اپنے رنگا رنگ کے حالات کو باعثِ روک ٹوک بنا رکھا تھا۔ علیٰ ہٰذا لقیاس۔ یہانتک کہ مقام حمص (علاقہ دمشق کا مشہور شہر ہے) میں میری ایک حاجت جا واقعہ ہوئی۔ اس شہر کیطرف میں نے ایسے چند دوستوں کی رفاقت میں اپنا حرص تیز کیا۔ کہ گویا وُہ رات کے ستارے تھے (جن سے راستہ معلوم ہوتا ہے) اور وُہ گھوڑوں کی پُشتوں کو لازم پکڑنے والے تھے۔ ہم نے اپنا راستہ اختیار کر لیا۔ اپنی مسافتِ راہ کو (لُوٹ مار کر کے) طے کرتے جاتے تھے۔ اور اس کے زخم (یعنی سخت اور کھردرے مقام) کو جڑ سے اُکھیڑتے تھے ان اصیل گھوڑوں کے ذریعہ سے ہم اونچی جگہوں کی کوہانوں (یعنی اُٹھی ہوئی زمین جو کوہانِ شتر کی طرح تھی) کو قطع کرتے گئے۔ یہانتک کہ وُہ عصاؤں اور کمانوں کی طرح ہو گئے۔ ہمارا گذر ایسی وادی سے ہُوا۔ جو پہاڑ کے دامن میں تھی۔ جس میں آلاء (خاردار اور تلخ درخت ہے) اور سال (جسے یہاں جھاڑ کہتے ہیں) کے درخت تھے۔ جو ایسی کنواری عورتوں جیسے تھے۔ جو اپنے گندھے ہوئے بال کھول دیتی ہیں۔ اور آگے کی زلفوںکو پراگندہ کرتی ہیں۔ اس وقت عین گرمی کا وقت تھا۔ اس لئے ہم اُس وادی کی طرف مُڑ گئے۔ اور وہاں اُتر پڑے۔ تاکہ کسی نیچے کی نرم زمین میں سکونت کریں۔ اور آرام لیں۔ گھوڑوں کو ہم نے رسیوں سے باندھ دیا۔ اور خود ذرا اونگھ لینے کی طرف مائل ہوئے۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ ہی نے ہم کو بیدار کیا۔ میں نے جو اپنے گھوڑے پر نظر ڈالی۔ تو دیکھا۔ کہ اس کے دونوں کان خوب تیز اور چوکنے ہوئے ہیں۔ اور اپنی آنکھیں بلند اُٹھائی ہیں اس رسے کے قوائے کو اپنے ہونٹوں سے کاٹ رہا ہے۔ اور اپنے سموں

سے زمین کے رُخسارے کو چیر پھاڑ رہا ہے۔ اس کے بعد باقی گھوڑے بھی مضطرب ہو گئے۔ اور پیشاب کرنے لگ گئے۔ رسیاں قطع کر ڈالیں۔ اور پہاڑ کی طرف نکل گئے۔ ہم سے ہر ایک اپنے ہتھیاروں کی طرف جو اُڑ کر (تیزی سے) گیا۔ تو ناگہاں دیکھا۔ کہ ایک درندہ موت کی پوستین میں ہے۔ جو اپنے بیشہ سے اس حالت میں نکلا ہے۔ کہ اپنے جسم کی کھال میں خوب پھُولا ہوا ہے۔ اور اپنی ڈاڑھوں کو باہر نکالے ہوئے ایسی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ جو تمام خالی جگہ سے بھرپور ہے۔ اور ایسی ناک ہے۔ جو نخوت سے بھری ہوئی ہے۔ سینہ ایسا کہ جس کو دل نہ چھوڑے۔ اور رُعب اس کو ساکن نہ کرے (یعنی کسی سے نہ ڈرے) ہم نے کہا۔ کہ یہ تو بڑی نازل ہونے والی مُصیبت ہے۔ اور فکر میں ڈالنے والا حادثہ ہے۔ ہمارے تیز رفتار رفیقوں میں سے ایک نوجوان اُس کی طرف بڑھ کر گیا۔ جو ایسا تھا۔ کہ ؎

خاندانِ عرب میں سبز چمڑے والا تھا (یعنے پاک اصل والا)۔ جو ڈول کو اس کی رسّی کی گرہ تک بھر دیتا تھا۔ (یعنے بڑا بہادر تھا۔ اور کام کو مکمل طور پر سرانجام کرتا تھا) اسکا دِل ایسا تھا۔ کہ قضا و قدر اس کو پیچھے سے ہانک لے چلی تھی۔ تلوار اس کی ایسی تھی۔ کہ نشانوں نے اسکو کند کر دیا تھا۔ شیر کا حملہ اسپر غالب آگیا۔ اس کے قدم کی زمین نے اس سے خیانت کر دی۔ یہانتک کہ وُہ اپنے ہاتھوں اور مُنہ کے بل گر پڑا شیر اس آدمی کے بھیڑنے کی جگہ سے بڑھکر دُوسرے آدمی کی طرف جو اس کے ساتھ تھا۔ گیا۔ اس وقت اس آدمی نے دُوسرے دوست بھائی کو اِسطرح پکارا۔ جس طرح کہ اُس نے اس کو پکارا تھا۔ یہ دُوسرا آدمی اس پہلے کی طرف گیا۔ اس حالت میں کہ رُعب نے اس کے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ تو اس نے زمین پر پاؤں جما دیا۔ مگر شیر نے اس کے سینے کو فرش سے لگا دیا لیکن مَیں نے اپنی پگڑی اُس پر پھینکی۔ اور اس شیر کے مُنہ کو (اس آدمی کو کھا جانیسے) روکا۔ نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ مَیں نے اس کا خُون گرنے نہ دیا۔ وُہ جوان جو کھڑا ہُوا۔ تو اسکا پیٹ درد کرتا تھا۔ یہانتک کہ وُہ خوف کے مارے

مر گیا۔ شیر بھی بوجہ اس کے کہ اس کے جوف یعنی پیٹ میں درد پیدا ہو گیا ہلاک ہو گیا۔ اب ہم اپنے گھوڑوں کے نشان قدم پر چل پڑے۔ تو جوان میں بکھرے ہوئے تھے۔ ان کو اپنے ساتھ لے لیا۔ اور جو بھاگ گئے تھے ان کا خیال بھی ترک کر دیا۔ ہم اپنے رفیق مُردہ کی طرف واپس لوٹے۔ تاکہ اسکی تجہیز و تکفین کریں (اس وقت ہماری حالت شاعر کے اس قول کے مطابق تھی) ؎

جس وقت ہم اپنے رفیق کے اُوپر مٹی پھینک چکے (یعنی دفن کر چکے) تو ہم نے آہ و فریاد کرنی شروع کی۔ لیکن یہ آہ و فریاد کا کون سا موقع ہے۔

ہم اسی جنگل کی طرف واپس مڑے۔ اور اس کی زمین پر سے اُترتے چڑھتے رہے۔ اور چلتے رہے۔ یہانتک کہ جب ہماری مشکیزۂ آب خشک ہو گئی۔ اور زادِ راہ ختم ہو چکی۔ یا ختم ہونے کے قریب۔ اور نہ ہم آگے چلنے اور نہ پیچھے لوٹنے پر قادر تھے۔ بھوک اور پیاس جیسے دو قاتلوں سے بھی خوف تھا۔ تو ہمارے سامنے ایک سوار آ ظاہر ہوا۔ ہم نے اس کی سمت رجوع کیا۔ اور اسکا قصد کیا۔ جسوقت ہمارے پاس آ پہنچا۔ تو اپنے اصیل گھوڑے سے جو اپنے ہونٹوں سے زمین پر نقش پیدا کرتا تھا۔ اور ٹانگوں سے مٹی پھینکتا تھا۔ اُتر پڑا۔ اور تمام جماعت سے گزر کر میری طرف قصد کیا۔ میرے گھوڑے کے رکاب کو چومنے لگا۔ اور میری خلت کی عزت و حُرمت کرنے لگا۔ میں نے جو نظر کی۔ تو دیکھا۔ کہ اسکا چہرہ ایسا چمکتا ہے۔ جیسا کہ چمکدار اور برسنے والا بادل۔ قد و قامت ایسا ہے۔ کہ جتنی قدر آنکھ اس کی طرف نگاہ کر دیکھے۔ نرم ہو جاتی ہے۔ رُخسارہ ایسا کہ تر و تازہ۔ مونچھیں کٹی ہوئیں۔ کلائی بھری ہوئی۔ جسم (جو شاخ کی مانند تھا) سرسبز و شاداب۔ خاندان کے لحاظ سے تُرک تھا۔ اور مُلکی لباس پہنے ہوئے تھا۔ ہم نے کہا کہ خدا کرے کہ تیرا باپ نہ ہو۔ (بطور محاورۂ عرب) تو کون ہے؟

کہنے لگا کہ میں ایک بادشاہ کا غلام ہوں۔ جس نے جو میرے قتل کا پورا

ارادہ کیا۔ تو میں اسی حالت میں آوارہ پھرتا رہا۔ یہانتک کہ تو اس حیثیت میں مجھے دیکھتا ہے۔ اس کی حالت کے گواہ بھی اس کی راست گوئی پر گواہی دیتے تھے۔ ازاں بعد کہنے لگا۔ کہ آج کے دن تو میں آپ کا غلام ہوں۔ اور میرا مال آپ کا مال ہے۔ مَیں نے جواب دیا۔ کہ تجھے خوشخبری اور خوشی ہو۔ کہ تیرے سفر نے تجھے کشادہ آنگن اور عمدہ زندگی تک پہنچا دیا۔ لوگوں کی جماعت مجھے مبارکباد کہتی تھی۔ اور وُہ جو دیکھتا تھا۔ تو اس کی پلکیں ہمیں قتل کرتی تھیں۔ کلام کرتا۔ تو اس کے الفاظ ہمیں مفتون کرتے۔ ازاں بعد کہنے لگا۔ کہ سردار لوگو! اس پہاڑ کے دامن میں ایک چشمہ ہے۔ اور تم ایک تنگ تاریک جنگل طے کر آئے ہو۔ وہاں سے جاکر پانی لے لو۔ اس پر ہمنے اشارہ کردہ جگہ کیطرف باگیں موڑ لیں۔ اور وہاں پہنچ گئے۔ اس وقت عین دوپہر کی گرمی بدنوں کو جھلسا رہی تھی۔ اور سیاہ مکڑی لکڑیوں (درختوں وغیرہ) پر چڑھی ہوئی تھی۔ اب اس آدمی نے کہا۔ کہ کیا تم لوگ اس کشادہ سائے کے نیچے اس شیریں پانی پر قیلولہ (دوپہر کی ہلکی سی نیند) نہ کرلو۔ ہمنے کہا۔ تیری مرضی اس پر وُہ اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا۔ کمربند کھول ڈالا۔ کرتہ (قرطقہ معرّب ہے کُرتہ کا۔ یعنے اُوپر کا لباس) علیحدہ کرلیا۔ صرف ایک پتلا سا پاجامہ جو اسکے بدن پر بدبُو پھیلاتا تھا رہا جو اس کے بدن کو ظاہر کرتا تھا) ہمسکر ہم سے پوشیدہ ہوگیا۔ ہمیں اس میں شک نہ ہُوا۔ کہ وُہ لڑکوں سے لڑائی کرتا ہے۔ اسکے بعد اس نے پردہ پھاڑ ڈالا۔ (جو اپنے اور ہمارے درمیان ڈال رکھا تھا)۔ اور اس ناپسندیدہ عیش سے بھاگ نکلا۔ گھوڑوں کی زینوں کا قصد کرکے ان کو اُتار دیا۔ گھوڑوں کے پاس جاکر ان کو گھاس کھلایا۔ تمام زمین پر جھڑکاؤ کیا یہ حالت دیکھکر ہماری عقلیں اس کے بارے میں حیران تھیں۔ اور ہماری آنکھیں اس پر ٹکٹکی لگائے ہوئے تھیں۔ مَیں نے کہا۔ کہ اے جوان! تُو تو کیا ہی لطیف طریقے سے خدمت کرتا ہے۔ اور مجلس میں کیا ہی عمدہ ہے اُس آدمی کے لئے ہلاکت ہے۔ جس سے تُو علیحدگی کرے۔ اور اس کے مبارکبادی اور خوشی ہے۔ جس کی تو رفاقت کرے۔ تیرا وجہ سے جو ہمیں نعمت ملی ہے بھلا

اس کا شکریہ کیسے ادا کریں۔

کہنے لگا۔ وہ جو عنقریب تم مجھ سے دیکھو گے اس سے زیادہ ہے۔ کیا تم میری خدمت گزاری کی پھرتی اور خوبی سے تعجب کرتے ہو۔ اس وقت بھلا کیا حال ہو گا۔ جبکہ تم مجھے رفیقوں میں دیکھو۔ خیر میں تمہیں کچھ اپنی تیزیٔ ذہن اور چالاکی دکھاتا ہوں۔ تاکہ تم میرے زیادہ عاشق بن جاؤ۔

ہم نے کہا۔ کہ پھر دکھا۔

اسپر اسنے ہمارے ایک آدمی کی کمان کو لے لیا۔ اسکو چلّہ چڑھایا۔ اور ایک تیر کو سوفار لگایا۔ اس کے بعد اس کو آسمان کیطرف پھینکا۔ ساتھ ہی ایک اور تیر چلایا۔ اس تیر نے پہلے تیر کو خلائے آسمان میں جا پھاڑا۔ اب کہنے لگا۔ کہ میں ایک دوسری نوع کا تماشہ دکھاتا ہوں۔ اس کے بعد میرے ترکش کیطرف گیا۔ اسکو لے لیا۔ اور گھوڑے کی طرف جا کر اسپر سوار ہو گیا۔ اور ہم میں سے ایک آدمی کو ایسا تیر مارا۔ جو اس کے سینے میں گڑ گیا ایک اور تیر لگایا۔ جسکو اس کی پشت سے باہر اُڑا کر (تیزی سے) نکالا۔ اس پر میں نے کہا۔ کہ تجھ پر رحم ہو۔ یہ تو کیا کرتا ہے؟

کہنے لگا۔ کہ اے کمینے! چپ رہو۔ بخدا۔ تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے رفیق کے ہاتھ باندھے۔ ورنہ میں اس کا گلہ گھونٹ کر مار ڈالوں گا۔ اب ہم نہیں جانتے تھے۔ کہ ہم کیا کریں۔ ہمارے گھوڑے بھی بندھے ہوئے تھے زینیں اُتری پڑی تھیں۔ ہتھیار دُور رکھے تھے۔ وہ تھا بھی سوار۔ اور ہم پیادے۔ کمان اسی طرح اس کے ہاتھ میں تھی۔ جس سے وہ ہماری پشتوں سے ٹھیک تیر گزارتا تھا۔ اور ہمارے پیٹوں اور سینوں پر مشق کرتا تھا۔

جس وقت ہم نے (اس کی جانب سے) اس قدر جدّ و جہد دیکھی تو ہم نے تسمے لے لئے۔ اور ہم میں سے بعض بعض کو باندھنے لگا۔ میں ہی صرف اکیلا رہ گیا۔ مجھے کوئی نہیں باندھتا تھا۔ جو میرے ہاتھ باندھے۔ اسپر اُس نے کہا۔ کہ تو کپڑے اپنے جسم سے اُتار لے۔ میں نے ایسا کیا۔ (ازاں بعد) وہ

گھوڑے سے اُتر آیا۔ اور ہم سے یکے بعد دیگرے ہر ایک کے کان پر مُکا بازی کرنے لگا۔ اور اس کے کپڑے کھینچتا تھا۔ میری طرف بھی آیا میں نے دو نئے موزے پہنے ہوئے تھے۔ کہنے لگا۔ کہ ان کو اُتار لے۔ خدا کرے کہ تیری ماں نہ ہو!

میں نے کہا۔ کہ یہ موزہ تو میں نے تر حالت میں پہنا تھا۔ اب میں اس کے کھینچ لینے پر قادر نہیں ہوں۔ کہنے لگا اچھا میں اس کو اُتارتا ہوں۔ اس کے بعد میرے نزدیک آیا۔ تاکہ وُہ موزے کھینچ کر اُتارے اس حالت میں میں نے اپنا ہاتھ اس چھری کی طرف جو میرے ساتھ اُس موزے میں تھی۔ دراز کیا۔ جبکہ وُہ اپنے شغل میں تھا۔ میں نے اسکا پھل اس کے پیٹ اور اس کی بیٹی کے اندر گاڑ دیا۔ وُہ چھری اس کے مُنہ سے بڑھی نہ تھی۔ کہ اُس نے اس کو کھولا۔ اور اس کو لقمہ کرلیا (یا ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔) اب میں اپنے دوستوں کی طرف اُٹھ کھڑا ہوا۔ ان کے ہاتھ قید سے کھولے۔ ہم سب نے ان دو مقتولوں کے مال کو تقسیم کرلیا۔ ہم اس رفیق سے جا ملے جس نے اپنے نفس کی سخاوت کی تھی۔ اور قبر میں جا چکا تھا۔ ہم نے اپنا راستہ اختیار کیا۔ اور پانچ راتوں کے بعد حمس میں آ وارد ہوئے جس وقت اس کے بازار کے دہانہ (داخل ہونے کی جگہ) تک پہنچے۔ تو ہم نے ایک آدمی دیکھا۔ جو ایک بیٹے اور بیٹی کے سر پر ایک تھیلا اور چھوٹا سا عصا لیکر کھڑا تھا۔ اور یہ کہتا تھا ؎

۱۔ اللہ تعالٰے اس آدمی پر رحم کرے جس نے اپنی بخششیں میرے تھیلے میں بھر دیں۔

۲۔ خدا اُس پر رحمت کرے جس نے بیٹے سعید اور بیٹی فاطمہ کی غمخواری کی۔

۳۔ کیونکہ لڑکا تو تم لوگوں کا نوکر ہے۔ اور لڑکی بلاشک نوکرانی ہے۔

عیسٰی بن ہشام کہتا ہے۔ کہ اسپر میں نے کہا۔ کہ یہ شخص تو اسکندری معلوم ہوتا ہے جس کا میں نے ذکر سُنا ہوا ہے۔ میں نے جو اس سے دریافت کیا تو وہی

نکلا۔ میں جلدی سے اس کی طرف گیا۔ اور کہا کہ بیشک مجھے کوئی حکم کر۔
کہنے لگا۔ کہ بس ایک درم۔ میں نے یوں کہا ؎
ا۔ تیرے لئے اس جیسا ایک درم ہے۔ جب تک سانس میری امداد
کرے۔ (یعنے جیتا رہوں)
۲۔ پس تو اپنا حساب کر۔ اور التماس کر (یا دریافت کر) تاکہ بطور مطلوب
چیز دی جائے۔ اور میں نے اس سے کہا۔ دو کے بدلے ایک درم۔ یا تین۔ چار
پانچ کے بدلے۔ یہانتک کہ میں بیس تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد میں نے کہا۔ کہ
تیرے پاس کتنی ہیں۔ کہا کہ بیس روٹیاں۔ میں نے بھی اتنے کا حکم دیا۔ اور کہا
کہ جب رسوائی ہو۔ تو کوئی امداد نہیں ہوتی۔ اور جب محرومی قسمت ہو۔ تو
کوئی تدبیر کام نہیں آتی +

(۷) مقامہ غیلانیہ

(شاعر غیلان بن عقبہ کے نام پر رکھا گیا ہے جسکا ذکر آگے آتا ہے)

عیسیٰ بن ہشام نے ہم سے روایت کی ہے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ جبکہ ہم
ایک مجمع کے اندر بمقام جرجان (معرب گورگان مشہور شہر ہے) تھے۔ اور
آپس میں بات چیت کرتے تھے۔ اُسدن ہمارے پاس عرب کا ایک آدمی
بھی تھا۔ جو بڑے حافظہ والا اور روایت کرنے والا تھا۔ اس کا نام عصمت
بن بدر قبیلہ فزارہ والا تھا۔ (اس کے بھائی حذیفہ کا ذکر پہلے آچکا ہے
جس کی تعریف میں زہیر نے لمبے چوڑے اشعار لکھے ہیں) ہوتے ہوتے ہماری
کلام اس آدمی کے ذکر کی طرف جا نکلی۔ جس نے اپنے دشمن سے حلم کیساتھ
اعراض کیا ہو۔ نیز اس آدمی کے ذکر کی طرف جس نے بطور حقارت کے اعراض
کیا ہو۔ یہانتک کہ ہم نے صلتان عبدی (عبد القیس کے خاندان سے تھا۔
اسکو کہا گیا تھا۔ کہ تو فرزدق اور جریر کے درمیان فیصلہ کر۔ تو اس نے
فرزدق کو جریر پر نسب کے بیان کرنے میں فضیلت دی۔ اور جریر کو جودتِ شعر
میں۔ حماسہ میں بھی اس کے اشعار آئے ہیں) اور بعیث (بنی مجاشع جس سے

بنی تمیم نکلے ہیں۔ کے خاندان سے تھا۔ یہ شخص جریر کی ہجو کیا کرتا تھا۔ اور اُس سے مقابلہ کیا کرتا تھا۔ ہجو گوئی میں مانا گیا ہے) کا ذکر کیا۔ نیز اس حقارت کا بھی جو فرزدق اور جریر کو ان دونوں کے لئے تھی۔
تو عصمت نے کہا۔ بھلا میں تمہیں وُہ بات بیان کرتا ہوں۔ جو میں نے خود اپنی آنکھ سے دیکھی۔ کسی غیر سے روایت نہ کروں گا جبکہ میں بلادِ تمیم (جہاں کا فرزدق تھا) کے اندر سے چل رہا تھا۔ اور ایک نجیب واصیل سواری پر تھا۔ اور ایک کوتل گھوڑی آگے کھینچے ہوئے تھا۔ تو مجھے ایک خاکستری رنگ کے گھوڑے پر جس کی لگام خوب گرہ دار تھی۔ سوار ہوا۔ آدمی آ ظاہر ہوا۔ اور میرے عین محاذ میں آ گیا۔ یہاں تک کہ جب میرا سر اس کے سر سے زور کے ساتھ ٹکرایا۔ تو اُس نے اُونچی آواز سے سلام علیک کہا۔ میں نے جواب میں وعلیک السلام ورحمتہ اللہ و برکاتہ کہا۔ اور پُوچھا۔ کہ یہ سوار آواز بلند کرنے والا اور سنتِ اسلام سے سلام کرنے والا کون شخص ہے۔ کہنے لگا۔ کہ میں **غیلان بن عقبہ** (جس کا دُوسرا نام ذوالرّمہ ہے۔ اس کا ذکر پہلے آ چکا ہے) ہوں۔ میں نے کہا۔ کہ ایسے آدمی کو دیکھکر عین خوشی ہُوئی۔ حسب ونسب کے لحاظ سے بزرگ مشہور ہے۔ اور جس کی گویائی (یعنے شاعری) ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ اسپر اُس نے کہا۔ کہ آپ کی وادی کشادہ رہے۔ اور آپ کی مجلس مجلس باعزت رہے۔ تو کون ہے؟
میں نے کہا۔ کہ میں تو عصمت بن بدر فرازی ہوں۔
کہنے لگا۔ آپ کو اللہ تعالےٰ تحیت ومبارک کرے (یا حیات میں رکھے) آپ تو عمدہ دوست ہیں۔ ساتھ دینے والے اور رفیق ہیں۔
ہم چلتے رہے۔ اب جس وقت عین دوپہر کی گرمی آئی۔ تو اُس نے کہا کیوں نہ اے عصمت! ہم یہاں اُتر کر آرام لے لیں۔ کیونکہ سُورج تو اس وقت سخت گرمی میں ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کی مرضی۔
اس پر ہم درخت آلا (تلخ درخت) کیطرف مائل ہوئے۔ جو بار

سنگار کئے ہوئے کنواری عورتوں کی طرح تھے۔ جنہوں نے اپنے آگے کے بال (یعنی لمبی شاخیں) جھاؤ کے درختوں پر پھیلائے ہوئے تھے۔ جبان کے گردو نواح میں تھے۔ ہم نے اپنی زینیں اُتار ڈالیں۔ اور کھانا کھانے لگے۔ ذوالرُّمہ تو کھانا بہت تھوڑا کھایا کرتا تھا۔ کھانے کے بعد ہم نے نماز ادا کی۔ اور ہم میں سے ہر ایک جھاؤ کے درخت کے سائے کیطرف مائل ہُوا جس جگہ کہ قیلولہ کا ارادہ رکھتا تھا۔ ذوالرُّمہ بھی لیٹ گیا۔ مَیں نے اِرادہ کیا۔ کہ اسکی طرح مَیں بھی کروں۔ سو مَیں نے زمین پر اپنی پشت ڈال دی۔ لیکن نیند میری آنکھوں کو قابُو میں نہیں لاتی تھی۔ اس حالت میں مَیں نے بزرگ کوہان والی اونٹنی دیکھی۔ جو دُھوپ میں ٹھیری تھی۔ اس کا پالان اُترا ہُوا تھا۔ ایک آدمی بھی دیکھا۔ جو کھڑا ہُوا اس کو چرا رہا ہے۔ جو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا کوئی مزدور یا خدمتگار ہے۔ لیکن مَیں نے اُن چیزوں سے اور نیز ایسی بات کے دریافت کرنے سے جو میرے متعلق تھی۔ کنارہ کیا۔ ذوالرُّمہ ابھی تھوڑا سا سویا تھا۔ کہ بیدار ہوگیا۔ یہ دن اس کے اس بنی مُرّ والے (یعنے فرزدق جو اُونٹ چرا رہا تھا۔ یہ شخص بنی تمیم سے تھا۔ جو مُرّ کا بیٹا تھا) کے ساتھ ہجو میں مقابلہ کرنے کے تھے۔ اس نے اپنی (گریہ سی) آواز بلند کی۔ اور یوں پڑھنا شروع کیا ؎

۱۔ کیا معشوقہ مَیَّہ (بنت فلاں بن طلبہ جس سے ذوالرُّمہ کو عشق تھا۔ شروع میں بطور تشبیب کے شاعر لوگ اپنی کسی معشوقہ اور اس کے لوازمات کا حال لکھا کرتے ہیں) یہ منہدم نشانات ہیں۔ جن پر زور کی ہوا جو قبریں کھود ڈالتی ہے۔ دائمی طور سے چلتی ہے۔

۲۔ یہاں سوائے گھوڑے کے زخمی شُدہ سر کے اور سوائے ایسی آگ جلانے والے کے جس کے پاس چنگاری نہیں ہے۔ اور کچھ باقی نہیں رہا۔

۳۔ ایک محوض باقی ہے۔ جو ہر دو جانب سے دندانہ وار اور خراب ہوگیا ہے۔ ایک مقامِ مجلس ہے۔ جو مِٹا ہُوا اور پُرانا ہُوا ہے۔

۴۔ مجھے اپنا وُہ زمانہ یاد آتا ہے۔ کہ جب اس مقامِ مجلس میں رہا

کھنڈرات میں) لوگ آباد تھے۔ محبوبہ میّہ تھی۔ محبت اور مقام کرنے والے تھے۔

۵۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا میں میّہ کے پاس تھا۔ اور ایسے ہرن کی طرح بھاگ جانے والا تھا، جسکو کوئی چھینک لگانے والا دیکھ لے۔

۶۔ جب میں اس کے پاس آتا تھا۔ تو ایک سخت تندخو نگہبان جو اُس پر پہرہ دار تھا۔ مجھے واپس ہٹاتا تھا۔

۷۔ عنقریب اس سخت آدمی کے پاس (مُراد اس سے فرزدق ہے۔ لُغوی معنی کے لحاظ سے۔ نہ کہ وُہ شاعر امرار القیس) میری ایسی خوُبیاں اور عمُدہ کلمات آئیں گے۔ جن کو مسافر آدمی یا بیٹھنے والا ہر دو (خوش ہو کر) گائیں گے۔

۸۔ اے مخاطب! کیا تُو نہیں دیکھتا۔ کہ اس سخت آدمی کو تو ایک لاعلاج بیماری لگی ہوئی ہے۔

۹۔ یہ ایسے لوگ ہیں۔ کہ ہجو سے درد و الم محسُوس نہیں کرتے۔ ہاں کبھی خشک پتھر (جس سے یہ مشابہ ہیں) بھی درد محسُوس کرتا ہے۔

۱۰۔ ان کے ہاں نہ تو کوئی بلند مرتبہ پر سوار ہے۔ اور نہ کوئی جنگ میں شہسوار ہے۔

۱۱۔ ملامتوں کے حوضوں میں ہو کر یہ لوگ ناپاک اور میلے ہو گئے ہیں جیسے کوئی پاؤں سے پامال کرنے والا (یا نفرت سے سلوک کرنے والا) آدمی پامال کیا کرتا ہے۔

۱۲۔ جس وقت اور لوگ بزرگیوں کی خاطر آنکھ بلند کریں۔ تو ان لوگوں کی آنکھ جھکی ہُوئی اور اونگھ لیتی ہے۔

۱۳۔ ان کے خسر لوگ بزرگیوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور ان کے رانڈ یا رنڈوے سارے کنوارے ہیں (یا اَیامی کے معنے مطلق زنِ بے شوہر و مردِ بے زن لیں۔ یعنے سارے کے سارے غیر شادی شدہ ہیں)۔

جس وقت یہ شعر اس سونے والے کو جا پہنچے۔ تو وُہ اُٹھ بیٹھا۔ اور اپنی آنکھوں کو ملنے لگا۔ اور کہنے لگا۔ کہ کیا یہ چھوٹا سا حقیر ذوالرّمہ مجھے ایسے شعروں کے ذریعہ سے جو نہ تو درست شدہ ہیں۔ اور نہ کوئی مشہور ہیں۔ نیند سے باز رکھتا ہے۔

مَیں نے غیلان سے کہا۔ کہ یہ شخص کون ہے۔

اس نے جواب دیا۔ کہ فرزدق ہے۔ ذوالرّمہ نے (فرزدق کے قول سے) اپنے آپ کی حمایت کی۔ اور کہنے لگا ؎

ابنی مجاشع (فرزدق کی قوم) تو رذیل لوگ ہیں۔ ان کی اُگنے کی جگہ یعنے اصل کو کسی پلید کام کرنے والے نے پانی نہیں پلایا۔

۲۔ قریب ہے۔ کہ کوئی رسّی ان کو بزرگوں کی کوششوں اور کارناموں تک پہنچنے کے لئے باندھ دیگی۔ یا کوئی روکنے والا ان کو روک دیگا۔

اب میں نے دِل میں کہا۔ کہ لو یہ ابھی جھک اُٹھتا ہے۔ اور غصہ میں آکر اُس شخص یعنے ذوالرّمہ اور اس کے قبیلے کو ہجو سے گھیرتا ہے۔ لیکن بخدا۔ فرزدق نے اس سے زیادہ کچھ نہ کہا۔ کہ اے حقیر ذوالرّمہ تیرے لئے قباحت ہو۔ کیا تو مجھ جیسے سے ایسی کلام کے ساتھ جو غلط (اور منسوب ہے۔ دُوسروں کیطرف) ہے۔ مقابلہ کرتا ہے۔ یہ کہکر نیند کی طرف لوٹ گیا۔ گویا اُس نے کوئی چیز نہیں سُنی تھی۔ اب ذُوالرّمہ چلا گیا۔ اور میں بھی اس کے ساتھ ہی گیا۔ میں نے تو اس کے اندر جُدا ہونے کے وقت سوائے انکسار کے اور کچھ نہ دیکھا +

(۸) مقامہ آذربیجانیہ

(آذربیجان ایران کا بڑا صُوبہ ہے جس کا دارالخلافہ تبریز ہے)

عیسیٰ بن ہشام کہتا ہے۔ کہ جس وقت دولتمندی نے اپنے دراز دامن کا مجھے کمربند باندھا۔ تو مجھ پر یہ تہمت لگائی۔ کہ یا تو میں نے کسی کا

مال چھینا ہوا ہے۔ یا کوئی مجھے خزانہ ملا ہے۔ اس وجہ سے رات نے مجھے ہانک دیا (یعنے راتوں رات باہر نکل گیا) اور گھوڑے میرے پیچھے لگ پڑے۔ بھاگنے کی حالت میں میں ایسے راستوں سے گذرا۔ جہاں پر چلنا پسندیدہ نہیں تھا۔ اور نہ ہی کوئی پرندہ وہاں گیا تھا۔ یہانتک کہ رُعب و خطر والی زمین میں نے طے کر لی۔ اور اس کی حد سے باہر نکل گیا اور امن کے چراگاہ میں پہنچکر اس کی ٹھنڈک کو پایا۔ آذر بیجان جو پہنچا۔ تو سواریاں تھک کر گھس گئی تھیں۔ اور منزلوں نے ان کو کھا لیا تھا۔ جب وہاں پہنچا۔ (تو اس شعر کے مطابق حالت ہوئی) ؎

ہم اس ارادہ پر وہاں نازل ہوئے تھے۔ کہ تین دن ٹھیرینگے لیکن وُہ جگہ ہمیں پسند آگئی۔ اس لئے وہاں ایک مہینہ مقیم رہے

اب ایک دِن میں کسی ایک بازار میں تھا۔ کہ ایک آدمی مشکیزہ پانی کا جس کو اُس نے بازُو سے باندھا ہُوا تھا۔ لئے ہوئے مودار ہوا۔ ایک عصا بھی ساتھ تھا۔ جس پر سہارا لئے ہوئے تھا۔ ایک ٹوپی سر پر پہنے ہوئے۔ اور ایک غلاف سر پر ڈالے ہوئے تھا۔ آواز بلند کر کے یُوں کہنے لگا:۔

اے اشیاء کے ایجاد کرنے والے۔ اور ان کو پھر اصلی حالت کی طرف لوٹانے والے۔ ہڈیوں کے زندہ اور ہلاک کرنے والے۔ صُبح کو پیدا کرنے والے اور اس کو گردش دینے والے۔ روشنی کو پھاڑنے والے۔ اور اس کو نُور دینے والے۔ مکمل نعمتوں کو ہم تک پہنچانے والے۔ اور آسمان کو اس بات سے روکنے والے کہ کہیں ہم پر گر نہ جائے۔ رُوحوں کو جوڑا جوڑا کر کے پیدا کرنے والے۔ سُورج کو چراغ۔ آسمان کو چھت۔ زمین کو بچھونا۔ رات کو ذریعہ آسائش۔ دِن کو ذریعہ معاش بنانے والے۔ بار آور بادلوں کو اُٹھانے والے۔ بجلیوں کو عبرت کی خاطر بھیجنے والے۔ اور ستاروں کے اُوپر نیچے کی چیزوں کے جاننے والے۔ میں تجھ سے یہ عرض کرتا ہُوں۔ کہ تو تمام پیغمبروں کے سردار یعنے محمدؐ علیہ السلام اور اسکی

پاک اولاد پر درود بھیجے۔ یہ کہ تُو مجھے اس غربت کی حالت میں امداد دے۔ کہ اس کی رسّی کو بٹوں (یعنے دُور کروں) اور اس مشقت کے سائے سے تجاوز کروں۔ اور یہ کہ تُو ایسے آدمی کے ذریعہ سے جس کی فطرت نیک ہو۔ پاکی لے اس کو ظاہر کیا ہو۔ دین متین کی سعادت حاصل کی ہو۔ اور حقِ مبین سے نابینا نہ ہو۔ ایک ایسی سواری پہنچا۔ جو یہ رستہ طے کرا دے۔ اور نیز ایسا زادِ راہ دلا۔ جو مجھے کافی ہو۔ ساتھ ہی رفیقِ طریق بھی ہو۔

عیسیٰ بن ہشام کہتا ہے۔ کہ اس پر مینے اپنے دل سے سرگوشی کی۔ کہ یہ شخص تو ہمارے ابوالفتح اسکندری سے زیادہ فصیح ہے۔ میں نے جو توجہ سے دیکھا۔ تو وُہ بخدا! خود ابوالفتح ہی تھا۔ مَیں نے کہا۔ اے ابوالفتح اس سرزمین پر بھی تیرا فریب پہنچگیا۔ اور تیرا شکارِ مکر اس گھاٹی تک بھی جا پہنچا۔ اسپر وُہ یہ کہنے لگا ؎

۱۔ مَیں تو تمام علاقوں میں جولانی کرنے والا اور کنارۂ آسمان کو قطع کرنے والا ہُوں۔

۲۔ مَیں زمانے کا گھومنے والا کھلونا ہُوں۔ اور راستوں کی پالکی ہُوں۔

۳۔ تجھے ہدایت ہو! مجھے اس مُصیبت پر تو ملامت نہ کر۔ آ ذرا اس کو چکھ +

(۹) مقامہ جُرجانیہ

عیسیٰ بن ہشام نے ہم سے روایت کی ہے۔ وُہ کہتا ہے۔ کہ جب ہم ایک اپنے مجمع میں بمقام جرجان تھے۔ اور آپس میں بات چیت کرتے تھے۔ ہمارے اندر سوائے ہمارے اپنے آدمیوں کے اور کوئی نہ تھا۔ تو ناگہاں ہمارے اُوپر ایک آدمی آ ٹھیرا۔ جو نہ تو دراز قد اور تنے ہُوئے جسم والا تھا۔ اور نہ کوتاہ قد جس کا گوشت (بوجہ کوتاہ پن ہونے کے)

اِدھر اُدھر حرکت کرے۔ اس کی ڈاڑھی گھنی تھی۔ اور اس کے پیچھے پھٹی پُرانی چادریں پہنے ہوئے چھوٹے چھوٹے بچے لگے ہوئے تھے۔ کلام کی افتتاح اس نے سلام سے کی۔ جو سنتِ اسلام ہے۔ ہم نے بھی اس کو امرِ جلیل کا والی کر دیا۔ اور پُورے سلوک سے پیش آئے۔ اس پر اس نے کہا۔ اے لوگو! مَیں اسکندریہ کا رہنے والا ہُوں جو بنی اُمیّہ کی سرحدوں میں سے ہے۔ بنی سُلیم نے میری نشوو نما کی۔ اور بنی عبس نے مجھے مرحبا کہا۔ آفاقِ عالم کو مَیں نے قطع کیا۔ اور عراق کی انتہا تک پہنچا۔ جنگل اور آبادی میں جولانی کی۔ اور ربیعہ و مُضر (عرب کے ہر دو بڑے قبائل ہیں) کے ہر دو بڑے قبائل کے ہاں سے گذرا۔ جہاں کہیں میں رہا کبھی ذلیل نہیں ہُوا۔ پس جو تُم میری پھٹی پُرانی چادروں کی حالت دیکھتے ہو۔ وُہ تمہیں مُجھ پر عیب لگانے پر مجبور نہ کرے۔ کیونکہ خدا کی قسم ہم اصلاح و درستی والے تھے (یعنے خیرِ قلیل و کثیر کے مالک تھے) صُبح کو اونٹ ذبح کرکے اُن سے بُڑ بڑانے کی آواز پیدا کراتے۔ اور شام کے وقت بکریاں ذبح کرتے (ہمارا حال زہیر کے ان اشعار کے مطابق تھا۔ جن کا ترجمہ پہلے گزر چُکا ہے)

زاں بعد اے لوگو! زمانے نے ان کے درمیان سے مُجھ پر اپنی ڈھال کی پشت پھیر ڈالی۔ (یعنے بدبختی وارد کی) تو نیند کے بدلے میں نے بیداری اور اقامت کے عوض میں سفر لے لیا۔ پھینکنے کی جگہیں مجھے ایک جگہ سے دُوسری جگہ پھینکتی تھیں۔ اور وسیع چٹیل جنگل مجھے اپنے اندر سے لے چلتے تھے۔ حوادثِ زمانہ نے میری ایسی بیخکنی کر دی۔ جیسے گوند کو اُکھیڑا کرتے ہیں۔ اب میں صُبح و شام ہتھیلی سے بھی زیادہ صاف (یعنے مفلس) ہو گیا ہُوں۔ اور چھوٹے بچّے کے رُخسارے سے زیادہ ننگا۔ میرا آنگن خالی اور برتن صاف ہو گئے ہیں۔ سوائے بوجھوں کی مشقت اور مسافرت کی ہمیشگی کے مجھے اور کچھ حاصل نہیں ہے۔ بے آب و گیاہ جنگلوں میں گزرتا ہُوں۔ مٹّی کے ڈھیلے میرا بچھونا اور پتھر میرا تکیہ ہیں (میری

حالت توان اشعار کے مطابق ہے) ؎

۱- کبھی تو مقام آمد اور راس عین (دونوں جزیرہ کے موضعے ہیں) اور کبھی میا فارقین (یہ بھی جزیرہ کا مشہور شہر ہے) میں۔

۲- ایک رات تو شام میں۔ اس کے بعد مقام اہواز (بصرہ اور فارس کے درمیان ۹ بستیاں ہیں۔ مجموعہ کا نام یہی ہے) کی طرف میرا کُوچ ہوتا ہے۔ اور دُوسری رات عراق میں (جا گزارتا ہوں) دُوری مجھے ہر ایک پھینکنے کی جگہ ہمیشہ پھینکتی ہے۔ یہانتک کہ میں نے بلاد حجر (موضع کا نام ہے۔ بلادِ بحرین کا شمالی حصہ۔ اگر حجر ہو۔ تو مسکن قوم ثمود ہے) کو جا پامال کیا۔ ہمدان (یمن کا قبیلہ بھی ہے۔ اور شہر بھی ہے) کی سرزمین نے مجھے اپنے ہاں اُتارا۔ تو وہاں کے قبائل نے میرا استقبال کیا۔ اور اس جگہ کے دوستوں نے میری طرف (عین انتظار میں) گردن اُٹھا کے دیکھا۔ لیکن میں تو اس آدمی کی طرف مائل ہُوا جس کا پیالہ (سخاوت وغیرہ) بڑا تھا۔ اور جو کم بے وفائی کرنے والا تھا۔ اس کی حالت اس شعر کے مطابق تھی۔ (یہ شعر ابو زیاد کلابی کا ہے۔ جو حماسہ میں موجود ہے) ؎

اس ممدوح کے لئے ایسی آگ ہے۔ جو مقامات بلند پر جلائی جاتی ہے۔ (تا کہ مسافر دُور سے دیکھکر اس کے مہمان ہوں) جبکہ اور لوگوں کی آگیں اوڑھنیاں پہنائی جائیں (یعنے مہمانوں سے چھپائی جائیں۔ مراد قحط سے ہے) سو اُس شخص نے میرے لئے بچھونا تیار کیا۔ اور سونے کی جگہ آراستہ کی۔ اگر وُہ کچھ تھوڑی سی سُستی ظاہر کرتا۔ تو میرے پاس جلدی سے اس کا بیٹا (ہوا کی طرح) چل کر آتا۔ جو ایسا تیز تھا۔ کہ گویا وُہ یمنی تلوار ہے۔ یا (خوبصورتی میں) ایسے ہلال کی مانند ہے۔ جو بغیر گرد و غبار کے ظاہر ہو۔ اُس شخص نے مجھے ایسی نعمتوں کا والی کر دیا۔ جن سے میری قدر و منزلت تنگ آ گئی۔ اور جن سے میرا سینہ فراخ ہو گیا۔ ان میں سے اوّل تو گھر کا بستر۔ اور اخیر میں ہزار دینار۔ بجز ان نعمتوں کے جو

پے درپے آئیں۔ اور اُن دائمی بارشوں (سخاوتوں) کے جو زور سے گرنے لگیں۔ مجھے کسی چیز نے نہ اوڑایا (وہاں سے نکال لے گئیں) اس لئے میں ہمدان سے باہر ایسا نکلا۔ جیسے کوئی حیران پریشان جانور (یا ہرن) اور ایسا بھاگا۔ جیسے بھاگنے والا جانور۔ میں راستوں کو طے کرتا تھا۔ ہلاکت کی جگہوں کو طے کرتا اور ٹکڑوں سے مشقت کے ساتھ گذرتا۔ اور یہ اسلئے تھا۔ کہ میں پیچھے گھر کی ماں (بیوی) اور ایک چھوٹا سا بچہ چھوڑ آیا تھا۔ (جو اس بیت کے مصداق تھا)

گویا وُہ چاندی کا کلائی بند ہے۔ بنابت اور شرافت والا ہے قبیلہ کی کنواری لڑکیوں کے ساتھ کھیلتا ہے۔ اور ہلکے اور چھریرے بدن کا ہے۔

اب ہوائے احتیاج اور نسیم غربت مجھے تمہاری طرف لے چلی۔ اللہ تعالٰے تم پر رحم فرماوے۔ تم مجھ جیسے شکستہ اور لاغر پر جسکو حاجت یہاں تک لائی ہے۔ اور فاقے نے تکلیف دی ہے۔ رحم کرو (اسکا حال اس شعر جیسا ہے)

وُہ سفر کو لازم رکھنے والا۔ زمین کو قطع کرنے والا ہے۔ جنگل اس کو ادھر اُدھر پھینکتے ہیں۔ اس لئے وُہ پراگندہ بال اور غبار آلودہ ہے۔

خدائے کریم نیکی کو تمہارے لئے رہبر بنائے۔ اور بُرائی کو تمہاری طرف رستہ نہ دکھائے۔

عیسٰی بن ہشام کہتا ہے۔ کہ یہ سُنکر خدا کی قسم! ہمارے دلوں کو اسپر رقّت آگئی۔ اور ہماری آنکھیں اُسکی لطیف کلام کیوجہ سے ڈبڈبا گئیں۔ ہمنے جو اسوقت میسّر ہوسکا اسکو دیا۔ اور وُہ ہماری توریف کرتا ہُوا ہمسے دُور ہُوا۔ میں جو اس کے پیچھے گیا۔ تو کیا دیکھا کہ وُہ تو ہمارا یار ابوالفتح اسکندری ہے۔

(۱۰) مقامہ اصفہانیہ

عیسٰی بن ہشام نے ہم سے روایت کی ہے۔ وُہ کہتا ہے۔ کہ میں

(خُراسان کا مشہور شہر ہے) کی طرف چلنے کا عزم رکھتا تھا۔ اور شہر رَے (خُراسان کا مشہور شہر ہے) کی
اصفہان میں تھا۔ اور شہر رَے (خُراسان کا مشہور شہر ہے) کی طرف چلنے کا عزم رکھتا تھا۔ اب میں اس اصفہان میں سایہ کے نزول
کی طرح (بے ثباتی اور غیر مستقل طور پر) نازل تھا۔ ہر وقت کسی قافلہ
کی توقع میں اور ہر ایک صُبح کسی سواری کی انتظار میں تھا۔ اب جب
مجھے کسی چیز کی توقع تھی (یعنے حصُول قافلہ) وُہ واقع ہو گئی۔ تو نماز
کی اذان ہوئی۔ جس کو میں نے سُن لیا۔ اور جس کا جواب دینا فرض عین
تھا۔ چنانچہ مَیں اپنے دوستوں سے علیحدہ ہو گیا۔ اس بات کو غنیمت جانتا
تھا۔ کہ جماعتِ نماز کو پاؤں۔ لیکن قافلہ کے چوک جانے سے ڈرتا تھا۔
کہ کہیں اس کو چھوڑ نہ بیٹھوں۔ مگر اس نماز کی برکتوں سے میں نے (اللہ
تعالے سے) اس دُشوار جنگل کے برخلاف امداد چاہی۔ اب مَیں صف سے
اوّل صف میں چلا گیا۔ اور ٹھیرنے کی صُورت اختیار کی۔ امام صاحب نے
محراب کیطرف قدم آگے رکھا۔ اور قرآن کی سورہ فاتحہ کو حمزہ (بن حبیب
مشہُور قاری ہیں۔ سات قاریوں میں سے۔ سن وفات ۱۵۶ھ) کی قرات
کے مطابق مدّ اور ہمزہ (کلمہ کو دراز کر کے اور دبا کر) کے ذریعہ سے پڑھا
اور حالت یہ تھی۔ کہ مجھے قافلہ سے چوکنے کا غم تھا۔ جو کھڑا کرتا اور
بٹھاتا تھا (پریشان کرتا تھا) نیز سواری سے دُوری کا بھی افسوس تھا۔
امام نے فاتحہ کے بعد سورۂ واقعہ (جو کافی طویل ہے) پڑھی لیکن میں
تو صبر کی آگ سینک رہا تھا۔ اور صلیب کی طرح لیٹتا تھا۔ (یا صُلب
یعنے پیٹھ کے بل) غصے کے انگاروں پر جلتا اور ادھر اُدھر پلٹا کھاتا
تھا۔ سوائے خاموشی اور صبر کے کچھ چارہ نہ تھا۔ ورنہ کلام کی۔ تو
جھٹ قبر کی نوبت آئی۔ کیونکہ اس مقام پر لوگوں کی سخت مزاجی
کا مجھے پُورا علم تھا۔ کہ اگر مَیں نے سلام پھیرنے سے پہلے نماز چھوڑ
دی۔ (تو اسی سُلوک سے پیش آئینگے۔ ناچار سورۃ کے ختم ہونے تک میں
اضطراری قدموں سے اسی صُورت پر کھڑا رہا۔ قافلہ سے مایُوس ہو گیا۔
اور سواری اور کُوچ سے نا اُمید۔ اس کے بعد اس امام نے ایسے خشوع و

خضوع (نہایت عاجزی) کے طریقہ سے کمان کی طرح اپنے آپ کو رکوع
میں جھکا دیا۔ جسکو میں نے کبھی پیشتر نہیں دیکھا تھا۔ زاں بعد اپنا سر
اور ہاتھ اُٹھایا۔ اور سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ (جو شخص خدا کی
تعریف کرے۔ تو وُہ اس کو سنتا ہے) کہا۔ اور ٹھیرا رہا۔ یہانتک کہ
مجھے اس میں شک نہ رہا۔ کہ وُہ سو گیا ہے۔ زاں بعد اس نے اپنا دایاں
ہاتھ (زمین پر) دے مارا۔ اور اپنی پیشانی اوندھی کرکے اپنے چہرے کے
بل گر پڑا۔ اس حالت میں میں نے اپنا سر اُٹھایا۔ تاکہ فرصت پاکر نکل
جاؤں۔ لیکن صفوں کے درمیان میں نے کوئی راستہ نہ دیکھا پس سجدے
میں لوٹ گیا۔ یہانتک کہ امام نے بیٹھنے کے لئے تکبیر کہی۔ اور دُوسری رکعت
کے لئے جو کھڑا ہُوا۔ تو سورہ فاتحہ اور قارعہ (کوئی لمبی سورۃ نہیں ہے)
کو ایسی قرأت سے پڑھا جس سے قیامت کی زندگی کو پُورے طور سے
گِن لیا۔ اور جماعت کی ارواح کو کھینچ لیا۔ جب وُہ دونوں رکعتوں
سے فارغ ہُوا۔ اور اپنی ڈاڑھی کے دونوں اطراف سے تشہد (اشہد
ان لا الٰہ کہنا) کی طرف متوجہ ہُوا۔ اور اپنے کانوں کی ہڈی تک تحیات
(دو رکعتوں کے بعد بیٹھکر دُعا پڑھنی یا تحیۃ بمعنی سلام) کیطرف مائل
ہُوا۔ تو میں نے دِل میں کہا۔ کہ اب بس اللہ تعالےٰ نے خلاصی کو آسان
کیا۔ اور کشادگی کو قریب۔ اسوقت ایک آدمی اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اور کہنے
لگا۔ کہ جو کوئی تم میں سے دوستی اور جماعت کو پسند رکھتا ہے۔
تو وُہ کچھ دیر کے لئے اپنے کان مجھے مستعار دے (یعنے میری
بات کو کان دھر کر سُنئے)

عیسٰی بن ہشام کہتا ہے۔ کہ اس پر میں نے اپنی عزت کو بچانے
کی خاطر اپنی جگہ کو لازم پکڑا۔

اس کے بعد اس نے کہا۔ کہ مجھ پر یہ واجب ہے۔ کہ بجز راست
بات کے میں کچھ نہ بولوں۔ اور سوائے سچائی کے اور کسی بات کی
گواہی نہ دُوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے نبی علیہ السّلام سے

ایک خوشخبری لے کر آیا ہوں۔ لیکن اس کو میں نہ پہنچاؤنگا جب تک اللہ تعالےٰ اس مسجد کو ہر ایک نالائق اور کمینے سے جو آپ کی نبوت کا منکر ہے۔ پاک نہ کر دے۔

عیسیٰ بن ہشام کہتا ہے۔ کہ اس بات سے گویا اس نے مجھے زنجیروں میں باندھ لیا۔ اور سیاہ (یا مضبوط) رسوں سے جکڑ لیا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا۔ کہ "میں نے جناب رسول صلعم کو خواب میں ایسا دیکھا ہے۔ جیسے کہ سورج بادلوں کے نیچے ہو۔ یا بدر پوری رات (چودھویں رات) کو۔ آپ چلتے ہیں۔ اور ستارے (یعنے اصحاب کرام) آپ کے پیچھے ہیں۔ آپ دامن کھینچتے ہیں۔ (یا دراز کرتے ہیں) تو فرشتگان اسے اُوپر کو اُٹھاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے مجھے ایک دُعا سکھائی۔ اور مجھے نصیحت کی۔ کہ اسے آپ کی اُمت کو سکھادوں۔ پس میں نے اسے ان ورقوں پر خوشبو خلوق و مشک و زعفران و خوشبو سُک (روغن خیری وکستوری سے ملی ہوئی) سے لکھ لیا۔ اب جو کوئی مجھ سے یہ طلب کرے۔ میں اس کو بخش دُونگا اور جو مجھے کاغذوں کی قیمت دیدے تو یہ اُسے دیدونگا"

عیسیٰ بن ہشام کہتا ہے۔ کہ اس بات سے اس پر بہت درم برسنے لگ پڑے۔ یہانتک کہ اُنھوں نے اسکو حیران کر دیا۔ اور وہ باہر کو نکلا۔ میں اس کے پیچھے لگ پڑا۔ لیکن اس کی فریبانہ دانائی اور مکاری رزق پر تعجب کرتا تھا۔ میں نے قصد کیا۔ کہ اسکے حال سے اس سے سوال کروں۔ لیکن میں رُک رہا۔ اور ارادہ کیا۔ کہ اس سے کلام کروں۔ مگر چُپ ہو گیا۔ اور میں نے جو اس کی بے شرمی کے اندر فصاحت اور طلب سخاوت میں ملاحت اور حیلہ بازی سے لوگوں کو گردیدہ کرنا۔ اور وسیلہ و ڈھنگ سے مال لینا۔ ان سب باتوں میں جو غور کی اور اسکو نظر سے دیکھا۔ تو وہ تو ہمارا یار ابوالفتح اسکندری تھا۔ میں نے کہا۔ کہ تو بھلا اس حیلہ تک کیسے

پہنچگیا۔ تو وُہ مُسکرایا۔ اور کہنے لگا ؎

۱۔ لوگ تو گدھے ہیں۔ تو کوئی تجویز نکال۔ اور ان پر (کسی فریب میں) جلوہ گر ہو۔ اور اس میں مبالغہ کر۔

۲۔ حتّٰے کہ جب تو اپنی مُراد ان سے حاصل کرلے۔ تو مر جا (یا دور کر گم ہو جا) +

رسائل ابو العلا المعرّی

(نوٹ) یہ شخص شاعر۔ فلاسفر اور ادیب تھا۔ شام میں بمقام معرّۃ النعمان پیدا ہوا۔ شروع میں بینائی جاتی رہی۔ لیکن یہ کمی علمی حافظہ میں پُوری ہو گئی۔ اپنے گھر ہی علم حاصل کرکے بغداد میں جاکر کچھ عرصہ گذارا۔ وہاں چونکہ ہر ایک قسم کے لوگ رہتے تھے۔ اسلئے وہاں اس کی بڑی قدر ہوئی۔ لیکن اس کے مذہبی خیالات کچھ متغیر ہو گئے۔ وہاں سے پھر گھر آگیا۔ اور یہاں گوشہ نشینی میں عُمر گزاری۔ اس کی نوجوانی کے عہد کے اشعار دیوان سقط الزند کے نام سے موسوم ہیں۔ جہاں کے اشعار حصہ نظم میں لئے گئے ہیں۔ بعد کے اشعار دیوان لزوم مالا یلزم کے اندر ہیں۔ شاعری عجیب فلسفہ سے پُر ہے۔ یہ رسائل علم ادب کی رُوح رواں ہیں۔ گو سلاست و فصاحت ان میں مفقود ہے۔ تاہم امثالِ عرب و محاوراتِ زبان بکثرت ہیں۔ سن وفات ۱۰۵۷ء)

(۴)

یہ خط اپنے ایک دوست کیطرف لکھا۔ جس نے اس سے خط و کتابت کی ترتیب میں نا تص رکھنے کے لئے کہا تھا (طریقہ تحریر کو بدلنے کیلئے)

اللہ تعالٰے میرے سردار کی زندگی کو دراز کرے۔ جو بلا استثنا و ایک فاضل آدمی ہے۔ اور جو تعریف کے لباس کو پہنے ہوئے ہے۔ یہ میرا

خط ایسی جگہ (یعنے زبان) سے ہے۔ جو آپ کے حسن ذکر سے مانوس اور اُن آدمیوں سے آباد ہے۔ جو آپ کا شکریہ اٹھانے والے ہیں (یعنی آپ کی عنایات کے ممنون ہیں) اور ایسے دِل سے (نکلا ہے) جو آپ کی محبت میں ایسا تیرتا ہے۔ جیسے بلبلۂ آب کسی گڑھے میں (جہاں بارش برسے) یا جیسے قطرۂ بارش کسی پہاڑی حوض میں (جو سرگین و بول وغیرہ اپنے اندر رکھتا ہو)۔ (اس بات پر) تعریف اللہ تعالٰے کو زیبا ہے۔ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اور اس کی رحمت و برکت اس کے برگزیدہ آدمیوں پر ہو (جن میں تمام کے سردار حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں) تیرا شوق جناب کی ذات پاکیزہ کیطرف پرانی شراب کی طرح ہے۔ کہ جتنی وُہ پرانی ہو۔ اتنا ہی وُہ عمدہ و خالص ہوتی ہے۔ یا کسی حدیث (یا آثار صحابہ) کے راوی کی مانند کہ جس قدر وہ قدیم (اور نبوت کے قریب زمانے کا) ہو۔ اسی قدر وُہ با سیادت و عزت ہوتا ہے۔ یہ ایسا شوق ہے کہ جیسے کوئی کُو کُو کرنے والی کبوتری (ہدیل ویسے ایک کبوتر بچہ تھا نوح کے زمانے میں پیاس کے مارے مرگیا تھا۔ سو تمام کبوتر اس پر رو گئے ہیں) رونے سے اس کو اچھی طرح ظاہر نہیں کرسکتی۔ نہ ہی وُہ اونٹنی جو جدیل سے تھی (جدیل ایک نر اونٹ تھا۔ نعمان بن منذکا آپ کا خط جبکہ وارد ہُوا۔ تو ایسے خوشخبری لانے والے پرندے کی مانند تھا۔ جو نیچے اُتر پڑا ہو۔ یا کسی اعلےٰ و بہترین وادی کے پانی کی طرح جو ناگہاں (وادی کی تہ پر) مل گیا ہو۔ اور پیاس بجھائی گئی ہو (یا وُہ بہت اکٹھا ہو گیا ہو)۔

ایسی بات کی طوالت دُنیا جس کی حقیقت معروف و مشہور ہو۔ ایک ایسی عادت ہے۔ جس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اور ایسی بات کے بیان کو ترک کرنا جو واضح و ظاہر ہو۔ بہت مناسب و واجب ہے جب مَیں نے مُہر توڑی۔ تو اس خط سے ایسی خوشبوئیں نکلیں۔ جو مثل زعفران (یا مشک) یا لوبان کے تھیں (اطیمہ ویسے بھٹی کو بھی

کہتے ہیں) اور اللہ تعالےٰ بزرگ نام والے کی نعمت عظیمہ مجھ پر ہوئی رہا میں نے اس کی اس نعمت کا بڑا شکریہ ادا کیا) جبکہ آپ نے ذکر کیا کہ آپ پر سلامتی کی اوڑھنی اور چادر ہے (یعنے صحیح سالم ہیں) اور یہ کہ نعمت آپ کے لئے بطور منزل و آنگن کے ہے (یعنے آپ کو نعمت اور عمدگی عیش حاصل ہے - اور یہ اس لئے ہے - کہ میں نے آپ کو (جس کو اللہ تعالےٰ دائمی عزت دے) بچانیوالی ڈھال اور مستقل محافظت گاہ بنایا ہوا ہے - اور یہ کہ جس وقت آپ کی بزرگیوں کی خوشبوؤں کا تھوڑا سا جھونکا مہک اٹھتا ہے - یا آپ کی تعریفوں اور بہادریوں کی شاخوں کا گچھا (میری انگلیوں سے) مل جاتا ہے - (یعنے ہاتھ میں آ جاتا ہے) تو میں راحت کو ظاہر کرتا ہوں - اور اندرونی برائی (یا زخم دل اور تکلیف) کو چھپا دیتا ہوں - جیسے کہ اس لونڈی (سہیلی) کا حال ہوتا ہے - جو اپنی مالکہ کی پالکی (اور مکان) پر فخر کرتی ہے - یا وہ نوکرانی (دائی وغیرہ) جو اپنے گھر والوں کی نعمتوں پر ناز کرتی ہے (یعنے ایسی بات کا دعوےٰ کرنا جو فی الواقعہ موجود نہیں) بیشک میں جانتا ہوں - کہ آپ کی طرف سے جواب میں جو تاخیر ہوئی - وہ اس لئے تھی کہ برائی کی جس اس کی بنیاد سے الحاق کی جاوے (یعنے برائی کرنے والے سے برائی کی جاوے) اور غلطی کی ہلاکت کو اس آدمی پر لوٹایا جاوے جس نے فی نفسہٖ وہ کی - کیونکہ میں نے جو خط لکھا تھا - وہ بعد اس معاملہ کے تھا - جبکہ چمڑا بوسیدہ اور کرم افتادہ ہو گیا تھا (یعنے نقصان ناقابلِ تلافی تھا) اور لباس کہنہ ہو چکا تھا (اب معلوم ہے کہ) وہ آنسو جو بہنے میں زیادہ سست ہیں - وہ مصیبت زدہ کیلئے اپنے اندر شفا و تسلی زیادہ بھر کے رکھتے ہیں - اور وہ اونٹ (یعنی مخلوط نسل کا باپ آزاد اور ماں لونڈی یعنے ایک طرف سے عمدہ اور دوسری طرف سے خراب) جس کو دس ماہ گذر گئے ہوں - وہ اس قدر ثقیل اور سخت بن جاتا ہے - کہ اس کو نوجوان آدمی نہیں ہانک سکتے - مجھے اس بات کا

پورا یقین ہے۔ کہ آپ کی نصیحت کی طرز ایسی نہیں ہے۔ جیسے وہ دودھ جس میں بکثرت پانی ملا ہو (یعنے خالص اور بغیر ضانہ ہے) اور یہ کہ آپکی باصواب رائے بغیر کسی شک کے ہے (یعنے بلاشک آپکی رائے درست ہے۔ یا یہ کہ آپ سیدھے راستے کو بغیر کسی رہبر کے معلوم کر سکتے ہیں) میں نے جو ابو فلاں (یعنے ابو احمد یا ابو محمد وغیرہ۔ ابو کے بعد کا نام کنایتہً محذوف کر دیا) کی بابت لکھا تھا۔ وہ (اوّل تو) شکریہ ادا کرنیکی غرض سے تھا۔ اور دوسرا اسلئے کہ اس میں یاد دہانی اور امداد کیلئے درخواست تھی۔ کیونکہ آپ (جس کو اللہ تعالٰے ہمیشہ باعزت رکھے) اپنے سائل کو مدت بعید (لمبا وعدہ) کیطرف اشارہ نہیں کرتے۔ اور نہ ہی اپنے اُمیدوار کو خالی وعدوں کا سر بلاتے ہیں (آپ کا حال اس شعر کے مطابق ہونا چاہئے) ؎

اپنے ہاتھ (سخاوت کیلئے) ڈھیلے کر۔ اور خود آرام سے رہ۔ کیونکہ چقماق (یعنے آگ پیدا کرنے کی لکڑیاں) صرف درخت مرخ (مشہور درخت ہے۔ جس سے پہلے آگ نکالتے تھے) ہی سے بن سکتے ہیں۔ (مراد یہ کہ تو درخت مرخ کی مانند ہے جس سے آگ نکالتے ہیں۔ اس لئے تو بھی سخاوت کی آگ پیدا کر۔ یا یہ اپنی طرف اشارہ ہو۔ کہ جب تو ایسے سخی آدمی سے سوال کرتا ہے۔ تو منت و تقاضا کرنا بیسود ہے۔ کیونکہ وہ تو خود ہی خیال رکھتا ہے۔ بلکہ خوب کھلے ہاتھوں سے مانگ)

اب رہا اس وہم اور غلطی کی تلافی کرنی جو آپ سے صادر ہوئی۔ سو جب تک کمان اپنے تراشنے والے اور چلانے والے کو دیجا دے (یعنے دائمی طور پر کیونکہ کمان کو ہمیشہ چلانے والے ہی چلائینگے) اور گھوڑے ان کے سواروں کو۔ اور نیزے ان کے گردش دینے والوں (سنبھالنے والوں) کو۔ جھوٹ کا قدم ہمیشہ پھسلتا ہے۔ جیسے کہ سچ ثابت قدم رہتا ہے (یا سچ کی ثابت قدمی کے مقابلہ میں) اور کذب کی تاریکیاں صدق کے سُورجوں کے نکلنے سے زائل ہوتی ہیں۔ ابو۔۔۔ نے مُتالع پہاڑ (جیسے ثابت اور راسخ آدمی۔ یہ پہاڑ نجد میں ہے) سے سہارا لیا ہے۔ اور ایسے اعلےٰ گھوڑے کے رکاب کو مضبوط پکڑا ہے۔ جو لنگڑا نہیں ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ آپ پر بھروسہ کیا ہے) اس نے کوئی کند تلوار نہیں

ہلاتی۔ (یعنی آپ کُند تلوار کی مانند نہیں ہیں۔ جس کو اس نے پکڑا ہوا ہے) اور
نہ ہی اُس نے انتہائے دوڑ کی طرف گرنے اور پھسلنے والا گھوڑا بھیجا اور چھوڑا
ہے۔ اگر آپ کی عنایت نہ ہوتی۔ تو وُہ تو چھوٹے چھوٹے سنگریزوں پر (جو توڑنے
سے فوراً ٹوٹ جاتے ہیں) جو اس کے ہاتھ میں رہ جاتے۔ اعتماد کرتا۔ اور اپنی
آنکھوں سے سراب (یا برق بے باران) کے پیچھے لگ پڑتا۔ اور خاکستر گون شتر
پر موت سے ملاقات کرتا (یعنے مرجاتا۔ اُریق دراصل وُریق تھا تصغیر اَورق
ایک شخص نے غول کو خاکستر گون شتر پر دیکھا تھا۔ تو لوگوں نے کہا۔ کہ جاء نا
بِاُمِّ الرُّبیق علیٰ اُریق یعنے ہمارے پاس اُریق پر ایک بڑی مُصیبت لے آیا۔
اُمِ رُبیق۔ موت اور بلا کو کہتے ہیں۔ ویسے ربیق حجاز میں ایک وادی ہے)
اب اگر میرے حضور خط لکھنے میں اپنی انگلیوں کو اور جواب دینے
میں اپنی قلم کو تکلیف نہ دیتے۔ تب بھی آپ کی خُوبیوں کے دلائل ناطق اور
واضح ہوتے۔ اور آپ کے احسانات کے نشانات (مخیلہ وُہ ابر ہے جس کو عرب
لوگ برسنے والا شمار کرتے ہیں) مخبر صادق ہوتے (کیونکہ یہ معلوم ہے کہ)
پیشانی دکھا دیتی ہے۔ کہ ہونٹ نے اپنے اندر کیا لیا ہے (یعنے اندر کا
حال باہر سے ظاہر ہو جاتا ہے) آپ کی ان خوبیوں کی روشنی کافی ہدایت
دینے والی ہے۔ اور ان کی خوشبو کا پھیلنا کافی ندا اور اطلاع دینے والا
ہے۔ آپکا ہم سب اہلِ جماعت کو بوجہ حضور جناب ابو۔۔ کے امرِ جمیل بخشنا (یعنے
ہمپر اسکی وجہ سے احسان کرنا) ایک ایسی نعمت ہے جس کے پے درپے اور کئی
نعمتیں آئی ہیں۔ اور ایسی مہربانی ہے جس کے پیچھے اَور مہربانیاں آئیں لِل
صاحب کا نیکی سے اُلفت کرنا ایسا ہے۔ جیسے کہ اونٹ کا سعدان بوٹی۔
(گھاس ہوتی ہے جس کو اونٹ بڑے مزے سے کھاتے ہیں) سے۔ یا جیسے کہ صدف
کا کنارہ دریا سے۔ ہم سب انہی حضرت کے فضل وکرم پر انحصار کرنیوالے۔ اور
اُسی کی ذات کے پَودے ہیں۔ جو آپ نے لگائے ہیں۔ آپ نے جو خط میں ایک
فصل قرار دی ہے۔ جس میں خط وکتابت کی ترتیب اور طرز پر بحث کی ہے
تو ایسے شخص کے لئے (یعنی آپ کے لئے) کوئی تعجب نہیں ہے۔ کہ اگر وُہ

میری ہی طرف کئی درجے اُترے (یعنی بہت ساری مہربانی کرے) تو مَیں اس کی طرف ایک درجہ نیچے اُتروں۔ اور (اسی طرح) جو میری طرف گھنے جنگل چل کر آوے۔ تو میں اس کی طرف صاف کھلا رستہ چل کر جاؤں لیکن یہ فعل تو محض جرأت اور گستاخی کرنے والا ہے۔ اور ایسے آدمی کی شفقت اور خدمت ہے۔ جو بہت ہی تھوڑی کر سکتا ہے۔ اس لئے مینے ایسی آدمی کی طرح عمل کیا ہے۔ جو اپنے پاؤں اُٹھا کر) کھڑا ہو۔ تاکہ وُہ بادل کو پالے۔ کیونکہ اس کو میٹھے پانی کا شوق ہوتا ہے۔ جو زمین اور آسمان سے ہو کر اس کی طرف سے آیا ہے۔ خدائے عظیم کی قسم۔ مَیں نے تو واقعی یہ خواہش کی تھی۔ کہ آپ سے کہوں۔ کہ خط وکتابت کے اندر آپ اپنے مناسب مرتبہ اور طرز کی طرف واپس لوٹیں۔ اور جیسے میری مقدار اور ڈھنگ اپنے کلام ومحاورہ میں ہے۔ اسی طرح رہنے دیں۔ لیکن مَیں اس بات سے ڈرا۔ کہ کہیں میری طرف جلدی سے وُہ ظن نہ کیا جاوے۔ جس سے مَیں بری ہوں۔ اور جس کے ماسوا کے مَیں قابل اور مستحق ہوں (یہ خط وکتابت کے متعلق جو بحث چھڑی ہے۔ یہ غالبًا اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ خلفا ان باتوں سے ناراض ہوتے تھے۔ کہ ان کے ماتحت کے افسروں کو مبالغہ آمیز خطابات سے مخاطب کیا جاوے۔ جیسے کہ ابوالعلا کرتا ہے۔ مکتوب الیہ کا اعتراض بھی شاید اسی خطرہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہوگا) مجھ سے جو اس بات (خط وکتابت یا ارادہ) سے تاخیر ہوئی۔ تو یہ میری لغزش اور غلطی تھی۔ اور اس بات میں جو ترکِ ایفائے وعدہ ہُوا۔ وُہ از رُوئے غفلت کے تھا۔ کیونکہ آپ نے تو ثبیر جیسی بلند پہاڑی (مکہ کے سامنے رستے کے نزدیک پہاڑ) کیا ہے۔ حاجی لوگ جاہلیت میں جب تک اس پہاڑی پر دُھوپ نکلتی نہ دیکھتے۔ مقام عرفات سے ہرگز نہ چلتے۔ ان کا مقولہ مشہور تھا۔ اَشرِق ثبیرُ کیما نُغیرُ۔ یعنی اے کوہ ثبیر روشنی پیدا کر۔ تاکہ ہم جلدی اونٹ ذبح کریں) پر مجھے چڑھنے کی تکلیف دی ہے۔ یا بدرِ منیر تک چڑھ جانے اور پہنچ جانیکی۔ بمقابلہ

دوبار تنگ کے علاوہ بوجھ کی کیا حالت ہوگی (یہ امیر معاویہ کا مقولہ ہے۔ لبید کے ترجمہ میں اس کا ذکر آچکا ہے) اور دونوں ہاتھوں کے مقابلے میں بیچاری انگلی کی کیا حیثیت ہے (یعنی مَیں تو ایک معمولی آدمی ہُوں) مجھ پر کوئی عتاب و ملامت نہیں۔ اگر میں اپنی ضعیف بارش کے چند قطروں کا مقابلہ آپ کی مُوسلا دھار (لفظی معنے بہت رونے والا) بارش کے ساتھ کروں۔ آپ نے تو میرے ساتھ ایسے خطابات سے ابتدا کی ہے۔ جن کا مَیں استحقاق نہیں رکھتا۔ سو میں اس بات کو محبُوب رکھتا ہُوں۔ کہ آپ کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈالوں

مَیں کوئی ریت کے بلند ٹیلے کی مانند (جہاں کی زمین عاقر یعنے کچھ نہ پیدا کرنے والی ہوتی ہے) نہیں ہُوں۔ کہ مجھ پر بارش ہو۔ اور مَیں پھُول نہ پیدا کروں۔ نہ مَیں مُردے کی قبر کی طرح ہُوں کہ عوض لُوں۔ اور بدل کچھ نہیں۔

غریب مسافر کے آئینے سے مَیں کوئی کم نہیں ہوں۔ یا اس لمبے چوڑے حوض سے جو کسی امیر آدمی کے گھر میں ہو۔ جس کے اندر خوبصُورت چہرے والا آدمی دیکھتا ہے۔ پس وُہ حوض کوشش کرتا ہے۔ کہ اس آدمی کو اپنی مثل عکس دکھائے۔

اور میری مکافات اور جزا پر آپکی ابتدا اور کوشش ویسا غلبہ رکھتی ہے۔ جیسے کہ خوبصُورت چہرہ اپنے عکس کے اُوپر اس صاف آئینے میں رکھتا ہے (یعنی کچھ نہیں)۔

اور جب آپ اپنے الفاظ میں ٹیلے اور اونچائی کیطرف پھرینگے۔ (یعنی آپ کی کلام تازہ اور جوان ہوگی) اور اپنی کلام سے عدُول کرکے اعتدال کیطرف آئیں گے۔ تو آپ کا دوست (لینے میں) بھی ایسا ہی کریگا۔ پستی یعنی سادگی کو لازم پکڑ لیگا۔ اور ایسا رجُوع کریگا۔ کہ پھر دوبارہ عاجزانہ لہجہ اختیار کریگا۔ اب سُنئے میرے سردار ابو۔ تو میری سیاہ رات کے فرقد ستارے (نزدیک قطب اس سے راہ

شناخت کرتے ہیں / ایسا۔ میرے ربیع موسم کے پھول (کوکب میں ایہام ہے کیونکہ دو معنے رکھتا ہے) ہیں۔ اور میری امید کے باغ۔ اب چونکہ آپ اور آنحضرت بطور دو چاند کے ہیں۔ جو ایک ہی برج میں ہوں یا دو سورج ہیں۔ جو ایک ہی میں ہوں۔ یا ایسی دو خوشخبریاں جو ایک پیغام میں ہوں۔ اسلئے میں نے دوسرے صاحب کو چھوڑ کر صرف ایک کے پاس خط لکھنے پر اکتفا کی۔ میں ہر دو صاحبان کی خدمت میں مشکدار مدح و ثنا اور ایک پاک سلام کا ہدیہ پیش کرتا ہوں۔ جو دونوں ہمیشہ انشاء اللہ تعالیٰ باقی رہیں گے۔ جب تک کہ یہاڑ ثابت و مضبوط رہیں اور درخت سلم (مشہور خار دار درخت ہے) کے پتے ہیں +

(۵)

یہ اُس خط کا ایک ٹکڑا ہے۔ جو اس نے ایک آدمی کی طرف بھیجا تھا۔ جس کی بابت اس کو کہا گیا۔ کہ شیر نے اسے کھا لیا ہے۔ بعد اس کے کہ اس کے اپنے ساربان (خچر والا۔ جو خچر کرایہ پر دے) نے جس کا نام موسلے تھا۔ اس سے فریب کیا +

میں بہت ہی طیش اور بے ہوشی میں رہا۔ جبکہ مجھے بتلایا گیا کہ اس بات کا علم نہیں ہے۔ کہ آپ ہر دو گرنے کی جگہوں میں کسطرف اور کہاں جا گرے۔ اور یہ کہ اس بات کی خبر نہیں۔ کہ کس جگہ چلے گئے۔

بعضوں نے کہا۔ کہ آپ پر شام ہو گئی۔ اور اس لئے شیر نے حملہ کیا۔ اس کا میں نے جواب یہ دیا۔ کہ یہ دھوکہ اور فریب ہے۔ (اُدھقدرین اگرچہ تثنیہ ہے۔ لیکن ماضی کے طور استعمال ہوا ہے۔ اس ضرب المثل کے لفظی معنے یہ ہیں۔ کہ سعد لوہا۔ باطل و بیکار ہو گیا۔ اس کی وجہ تسمیہ مختلف طور پر بیان کیگئی ہے۔ زیادہ مناسب یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ کوئی شخص بنام سعد اپنے کام میں ترقی نہ کر سکا۔ کیونکہ لوگ قحط کی وجہ سے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ اس

نام کا فارس کا ایک تاجر تھا۔ جو دو معنی ۲ اور دہ معنی ۱۰ اکی مناسبت سے اپنے گاہکوں کو فریب دیا کرتا تھا۔ اس لئے وُہ فریب اور دھوکے میں ضرب المثل ہو گیا) اور ایسا جھوٹ ہے۔ جو کسی دُشمن نے گھڑ لیا ہے لیکن پھر بھی اس بات پر میرے اندر بے آرامی اور خوف بھر گیا۔ کیونکہ شفیق سوء ظن کیطرف زیادہ دِلدادہ ہوتا ہے (یعنی جتنی زیادہ شفقت ہوا کرتی ہے۔ اتنا ہی آدمی دُوسرے کے لئے زیادہ فکر مند اور گمان کرنے والا بنتا ہے) مگر جس وقت مقام افامیہ (ساحل شام میں ایک مضبوط شہر ہے) سے حسین نام آدمی کا قافلہ پہنچا۔ تو ان لوگوں نے مجھے خبر دی کہ اُنہوں نے تو آپ کو دیکھا ہے۔ اس پر میں نے کہا۔

کہ کوہِ ثبیر (جس کا مفصل ذکر پچھلے رقعہ میں آگیا ہے) پر سب سے پہلے سُورج کی روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ کہ خبر دینے والے کی مانند تجھے کوئی خبر نہیں دیگا (یہ قرآن کی آیت ہے مطلب ہر دو کا یہ ہے۔ کہ قافلہ والوں نے واقعی سچّی خبر دی ہے) اب جبکہ آپکا خط پہنچا۔ کہ آپ تو اس شہر میں داخل ہی نہیں ہوئے۔ تو میں دو تعجبوں کے درمیان ہو گیا۔ ایک تو موسیٰ کی جانب سے (جس کی بابت مشہور تھا۔ کہ اس نے آپ سے فریب کیا) اور دُوسرا اِس حسین سے۔ اس حالت میں میں ظنِ خیر کرنے والا تھا۔ اور بُری فال کو ہٹانے والا (زجرت لہٗ طیر الشمال کی طرف اشارہ ہے جو ابو ذؤیب کا شعر ہے) ہاں موسیٰ پر تو اس لئے کہ وُہ تو تمام کرایہ پر خچر دینے والوں کی عادت کے مطابق چلا ہے۔ (یعنے دھوکہ اور فریب) یا انکی طرح جو نکیلوں والے ہیں یعنی اونٹ والے۔ یہ شخص ان خچر اور اونٹ والوں کے لئے ایسے رستے پر چلا ہے۔ جو پانی ملے دُودھ کی مانند ہے۔ یا جیسے کپڑے کے اُوپر دھاریاں (سَیح کا معنی جاری پانی بھی ہوتا ہے) باقی رہا حسین۔ سو اگرچہ وُہ اعتباری آدمی ہے۔ لیکن وُہ غلطی میں پڑ گیا۔ اور توجہ نہ کی۔ اور حساب کیا۔ مگر مناسب

تحقیق نہ کی (وہ تو طرفہ کے اس قول کے مصداق ہے) "تیرے پاس وُہ آدمی خبریں لائیگا۔ جس کے لئے تُو نے زادِ راہ نہیں تیار کی" اور جس کے لئے تُو نے کوئی وعدے کا سر نہیں ہلایا۔ (یعنے کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا)۔ لیکن چونکہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو سلامت رکھکر احسان کیا ہے۔ تو اس کے مقابلے میں دور دراز جگہ میں نصیتی جیسی گھاس (یہ اونٹ کٹارہ ہے۔ اس کی ترقسم کو ہی نصیتی کہتے ہیں) کیا وقعت رکھتی ہے۔ یا ملک یمامہ کا سیلاب اور ملک تہامہ کا ایک کنکر (یمامہ و تہامہ عرب کے صُوبے ہیں۔ ان فقروں کا یا تو یہ مطلب ہے۔ کہ یہ چیزیں اس کے مقابلے میں کچھ نہیں یا اہتوں بالتصی کا یہ مطلب ہے۔ کہ کوئی خالص اور عمدہ سی چیز اس کی راہ میں دیدے۔ کربہ کا معنی بیخ شاخ خرما بھی ہے۔ جن سے علاقہ یمامہ بھرپور ہے۔ تہامہ کے سنگریزے اور بدیں وجہ سخت گرمی مشہور ہے)۔

(۶)

یہ اس خط کا ٹکڑا ہے۔ جو ایک آدمی کیطرف لکھا تھا۔ جس نے ایک اور آدمی کو ۲۰۰ درم قرض دیئے تھے۔ اب اُس آدمی نے اس دوسرے کو کہا تھا۔ کمان کے بدلے تو میرے لئے ایک لسبترہ (فرسًا غلط چھپا ہے۔ فرشًا چاہئے) خریدلے۔

مَیں یہ خط مہینے کی یکم تاریخ کو لکھ رہا ہُوں (آگے دُعا مانگتا ہے کہ) اسیطرح (جیسے کہ یہ نیا مہینہ بابرکت ہے) اللہ تعالےٰ اسکی ہر دو سیاہ اور روشن راتوں میں آپکو برکت وسعادت دے۔ میرا شوق آپکی طرف ایسا ہے۔ جیسے شاعر اسدی کا اپنی وشل کیطرف (یہ اشارہ ہے۔ ابو مُعتم اسدی کے شعر کیطرف جو حماسہ میں ہے۔ جس کا یہ ترجمہ ہے۔ کہ تم وشل کو میرا اسلام دو۔ اور اس کو کہو۔ کہ اسکا تمام پانی جب سے کہ مَیں نے اس کو چھوڑا ہے۔ بدمزہ ہو گیا ہے۔ شارحین میں اختلاف ہے۔ کہ آیا وشل سے مراد مطلق چھیڑی ہے یا کسی خاص چشمہ

کا نام ہے) یا جیسے بنو نمیر والے کا اپنے اونٹوں کی طرف (یہ اشارہ ہے شاعر راعی کی طرف جس کا اصلی نام عُبید بن حصین تھا اور جو قبیلہ بنی نُمیر کا تھا - چونکہ اپنے اشعار میں اکثر اونٹوں کا ذکر کرتا تھا (اس لئے اس کا نام راعی پڑ گیا جریر کا ہمعصر ہے) اللہ تعالےٰ ہم کو اطاعت اور مسرت کی حالت میں ہمیں غرور اور بے پرواہی کے گھر میں جمع کرے (اگر عمدہ ہو تو بمعنی روشنی اور خوبی) اور ایسے عمدہ مکان میں اکٹھا کرے جو کینے اور بُغض کو سینوں سے دور کرے (قرآن شریف کا اقتباس ہے) مثل مشہور ہے - کہ اگر حظ وافر اور حصّہ نہیں ہے - تو کوئی کوتاہی اور کمی نہیں ہونی چاہئے (یعنے اگر مطلب حاصل نہ ہو تو یہ نہیں کہ اس کو طلب ہی نہ کریں) - پس اس فلاں آدمی سے میں نے اس رقم کے تقاضا کرنے میں کوتاہی نہیں کی - جس کی مقدار یہ ہے کہ ایک تو سو غدو - دوسرا اس قدر سال جتنے کہ ابن مقبل نے مُبعد سے لڑائی بھڑائی کرنے میں لگائے (ابن مقبل - جاہلی اور اسلامی شاعر ہے - نبی پاک کے زمانے میں تھا - اکثر سفر میں رہتا تھا - عمدہ شاعر ہے - اس کی سوانح عمری تو اکثر کتابوں میں ملتی ہے لیکن اس تلمیح کا کوئی پتہ نہیں ملتا - کہ مُبعد کون شخص ہے - اور کیسے لڑائی رہی اور ساٹھ سال کس طرح) تیسرا پروین ستاروں کے عدد کے برابر (جو چھ ہیں) ، نیز آدھا درم اور - اب اس گنتی میں کوئی کمی نہیں - یعنی ۶½ درم - میں نے اس کو کہہ دیا ہے کہ وہ ان کے بدلے چند چادریں (یعنی پوشاکیں سردی کی - مراد بسترہ وغیرہ) جو کسی تجربہ کار آدمی اور کاریگر کے بیٹے کی بنی ہوئی ہوں - کیونکہ میں نے اپنے تئیں خیال کیا - کہ آپ (اللہ تعالےٰ آپ کی تائید اور امداد کرے - سمندر کے بالکل نزدیک ہی ساحل پر ہیں - اور یہ کہ وہ پوشاکیں آپ کو ہر دو بُرج عقرب (جن میں سردی زیادہ پڑتی ہے) میں مل جانے گی اور یہ کہ موسم سرما کے آنے وقت کی تکلیف کو آپ سے ہٹا دے گی +

جو بے باران ہیں۔ اور جن کا نام شیبان اور اس کا بھائی ملحان ہے
(ان ماہ میں سردی زیادہ ہوتی ہے) غیر برف والے سرد ماہ (دسمبر و
جنوری) اور اس کی سرد راتوں سے۔ لیکن اس شخص نے تو مجھے
اس اونٹ جیسی خواہش دی جو دوسروں کے پانی پینے کی انتظار
رکھتا ہے اور یہ رقوب اس عورت کو بھی کہتے ہیں جو میراث کی
خاطر اپنے شوہر کی موت کی منتظر ہو) یا عرقوب (جس کا ذکر پہلے آچکا
ہے) جیسے جھوٹے وعدے دئے ◆

۸

یہ خط معرۃ النعمن والوں (اہل وطن) کو جب کہ یہ بغداد سے
واپس آرہا تھا۔ اور ابھی ان کے پاس نہیں پہنچا تھا لکھا۔ (مترجم)

اس خط کی ابتدا اللہ تعالٰے کے نام پاک سے کرتا ہوں جو بخشنے
والا (مومن و کافر کو) اور رحمت کرنے والا (مومن پر) ہے۔ یہ خط اُن
ساکنوں کی طرف ہے جو معرۃ میں مقیم ہیں (اللہ تعالٰے ان کو سعادت
سے گھیرے رہے) منجانب احمد بن عبد اللہ بن سلیمان (خود کاتب ابو العلاء)
جو خط کہ اس کے اپنے واقف کاروں اور رشتہ داروں کے لئے مخصوص
ہے (آگے جملہ معترضہ ہے) خدا تعالےٰ ہماری جماعت یعنی ان
لوگوں کو سلامتی اور تسکین دے اور یونہی ان کو چھوڑ نہ دے۔ ان کی
پراگندگی کو اکٹھا کرے۔ نہ کہ ان کو دردناک کرے۔ اس کے بعد اب
واضح ہو کہ میرا یہ خطاب آپ لوگوں سے بوقت میرے عراق (یعنی بغداد)
سے واپس لوٹنے کے ہے۔ جو اہل جدل و مناظرہ کا منبع ہے۔ اور بقیۃ
السلف (جو بزرگان میں سے بچے کھچے ہیں) کا وطن ہے۔ بعد اس کے
کہ میں نے جوانی کو گذارا۔ جو پوری طرح سے ختم ہو چکی۔ عالم شباب کو
الوداع کہا۔ جو بطور ماضی کے ہو گیا۔ زمانے کے تمام حصوں کا دودھ
دوہیا۔ (تجربہ کیا) اور اس کی نیکی و برائی کی آزمائش کی۔ تو میں نے یہ
پایا۔ کہ سب سے موافق رستہ جس کو میں ایام حیات میں اختیار کروں

وہ عزلت و گوشہ نشینی ہے۔ جو مجھے لوگوں سے ایسی حالت میں کر دے گی۔ جیسے پہاڑی بکری۔ میدان میں آنے والی شترمرغوں سے رکھتی ہے (یعنی بالکل علٰحدہ۔ جیسے کہ پہاڑی بکری جب کہ میدان میں شترمرغ عام ہوں۔ نادر ہی دکھائی دیتی ہے۔ سانح ایسے شکار کو کہتے ہیں جو شکاری کی بائیں طرف سے آئے۔ اور بارح اس کا اُلٹ۔ پہلا نیک فال شمار کیا جاتا ہے اور دوسرا بدشگون) میں نے اپنے نفس کو نصیحت کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اور نہ ہی اپنی قدر کے موافق حصول منفعت میں کوئی کمی روا رکھی۔ آخر اسی بات (عزلت) پر فیصلہ کیا۔ اور بعد اس کے کہ میں نے چند دوستوں کو یہ خیال ظاہر کیا۔ جن کے خصائل پر وثوق تھا۔ میں نے اس بارہ میں استخارہ بھی کیا۔ سب نے اس کو دور اندیشی بتلائی۔ اور اگر اس کا اتمام ہو گیا۔ تو اس کو صلاح و رشد شمار کیا۔ یہ ایسا امر ہے۔ جس پر کئی رات کے سفر طے کئے گئے ہیں (یعنی تجربہ وسوچ بچار سے) اور جس کا فیصلہ بمقام بقہ (شام میں نزدیک حیرہ کے ایک جگہ ہے) کیا گیا تھا۔ (یہ الفاظ قصیر بن سعد لخمی نے جذیمۃ الابرش کو جب کہ وہ زبا کے ہاتھ میں آیا تھا۔ کہے تھے۔ اس کی کہانی بڑی طویل ہے۔ یعنی یہ ایسا معاملہ ہے۔ جو پختہ طور سے فیصلہ ہو گیا ہے) اور جس کو شترمرغ نے (اپنی پشت پر) اُٹھایا ہے۔ (یہ مثال ایسے آدمی کے حق میں بولتے ہیں۔ جو سنجیدگی اور فکرمندی سے کسی کام کو کرے) یہ کوئی ایک گھڑی کا نتیجہ (لفظی معنے بچہ) نہیں ہے۔ نہ ہی ماہ و سال کا طفل پروردہ۔ بلکہ یہ قدیم صدیوں کا غذا دادہ اور فکر طویل کا پیدا کردہ ہے۔ میں نے آپ لوگوں کو اطلاع دینے میں اس خوف کے مارے جلدی کی۔ کہ کہیں آپ میں سے کوئی صاحب یہ مہربانی کرے کہ اس مکان میں جہاں رہنے کی میری عادت ہے۔ جاوے۔ تاکہ مجھ سے ملاقات کرے۔ تو اگر یہ بات اس آدمی

متعذر اور ناممکن ثابت ہو۔ تو میں دو برائیوں (کی تکلیف) کے اندر ہو جاؤنگا۔
ایک تو بد اخلاقی و بے ادبی اور دوسرا بُری طرح سے قطع تعلقی۔ کئی ایک
ایسے ہیں۔ جن کو ان کے ناکردہ گناہ پر ملامت کی جاتی ہے۔ مثل مشہور
ہے۔ کہ انسان کو اپنے اختیار پر چھوڑ دے۔ میرا دل (بغداد سے)
واپس لوٹنے پر راضی نہ ہوا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کو تین چیزوں
کا وعدہ دیا۔ ایک تو گوشہ نشینی جو ایسی (مکمل) ہو جیسے عیوق نام
ستارے کی (برج ثور میں)۔ دوسرا دنیا سے ایسی علحدگی اور قطع تعلقی
جیسے کہ انڈا بچے کو نکالنے کے وقت ٹوٹتا ہے۔ تیسرا ایسے شہروں
میں رہنا جہاں کے لوگوں کو روم کا خوف ہو (اس زمانے کی تاریخیں
روم و یونان کے حملوں سے بھری ہوئی ہیں۔ جو کسی حد تک بعض مسلمان
آدمی جو بادشاہت کے امیدوار تھے کی سرگرم امداد یا چشم پوشی
سے ہوتے تھے) اس وقت وہ لوگ ہی جو مجھ سے شفقت رکھتے
ہیں یا شفقت کا اظہار کرتے ہیں۔ ایسا بھاگتے ہیں۔ جیسے کہ خاکستری
رنگ کا ہرن یا گندم گون اونٹ۔ میں حلف کھاتا ہوں کہ میں نے مال و
متاع کی کثرت کے لئے سفر نہیں کیا۔ نہ ہی اپنے دوستوں کی ملاقات
سے کچھ حاصل کرنے کے لئے۔ بلکہ دارالعلوم (بغداد) میں اقامت کو
میں نے پسند کیا۔ جس کو میں نے ایک نہایت ہی نفیس جگہ مشاہدہ
کی۔ لیکن زمانے نے میری اس میں قیام کی امداد نہ کی۔ ہاں جاہل تو
ہمیشہ اپنی قصدا قدر سے لڑنے والا اور غلبہ ڈھونڈنے والا ہے۔
اسی غرض سے میں نے اس خیال کو چھوڑ دیا جس کو زمانے نے پسند
کیا (اور میرے لئے منظور نہ کیا) اللہ تعالے نے آپ لوگوں کو وطنوں
کا لازم رکھنے والا بنائے۔ نہ کہ گھوڑوں اور اونٹوں کو لازم رکھنے
والا (یعنی مسافر) آپ پر ایسی نعمت پوری کرے۔ جیسے کہ چاند کی
مکمل روشنی جو لے جانے (یا دھوکہ کھانے والے) ہرن پر پڑتی
ہے۔ (کہتے ہیں کہ چاند کی روشنی ہرن کو اندھا کر دیتی ہے) اور اسلئے

وہ آسانی سے پکڑا جاتا ہے یہی اس کے لئے دھوکہ ہے) اور بغداد والوں کو نیک جزا دے۔ کیونکہ انہوں نے میری ایسی صفت بیان کی جس کا میں مستحق نہیں ہوں۔ بغیر جاننے کے میری فضیلت اور حمایت کی شہادت و تصدیق کی۔ اور سنجیدگی کے ساتھ مجھے اپنے حال پیش کئے۔ تو انہوں نے مجھے ایسا پایا کہ میں لغزشوں کا دلدادہ نہیں ہوں۔ نہ ہی دوسرے لوگوں کی سخاوت کا شوقین۔ میں نے اس حالت میں کوچ کیا جب کہ وہ اس بات سے کراہت کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ ہی میرے لئے کافی ہے۔ اسی پر متوکل لوگ بھروسہ کیا کرتے ہیں (قرآن شریف کی آیت ہے)

۹

یہ خط حضرت علیؓ کے خاندان کے کسی شخص کے پاس لکھا (جس کا نام **شریف** تھا)

میرے سردار شریف کی محبت پرانی چیز ہے۔ کوئی نئی طرفہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس دایہ کی محبت جس کا دودھ خشک ہو گیا ہو۔ محض ظاہرداری ہے (علوق ایسی اونٹنی کو کہتے ہیں جو دودھ نہ دیتی ہو۔ مالوق پاگل آدمی کو کہتے ہیں) مجھے خبر دی گئی ہے۔ کہ آپنے کریمی طبع سے میری بابت دریافت فرمایا۔ لیکن میرے مکان کے حرف مٹے ہوئے نشانات کو پایا۔ (یعنی موجود نہ پایا) میں نے آپ کو جب کو میں عراق یعنی بغداد میں تھا۔ اطلاع دی تھی۔ کہ میں نے گوشہ نشینی جو مجھے مراد (آپ کی ملاقات) سے روک دے گی کے اختیار کرنے کا عزم کر رکھا ہے۔ اور (جب کہ یہاں بغداد پہنچا) میں نے اپنی والدہ جس پر اللہ تعالےٰ رحمت کرے۔ کو اس حالت میں پایا۔ کہ قضا و قدر اس کو ڈھیلوں (قبر) کی طرف اٹھا کر لے گئی تھی۔ تو میری نیت بھی مرنے کی ہو گئی۔ اس لئے میں نے اپنے آپ کو ناامیدی اور لوگوں سے کنارہ کشی پر لپیٹ لیا (یعنی اختیار کی) واپس جو آیا

تو پراگندگی و تنگدستی کو لازم رکھنے والا تھا۔ اور ایسے امور کی طرف لگ گیا۔ جن میں رہا منہ نہیں تھا۔ مثلاً عام قحط سالی جو سال بہ سال متصل طور پر جاری ہے۔ اسی طرح دیگر نقصانات جن کو محض اللہ تعالےٰ ہی دور کر سکتا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے (آپ کی طرف) صرف تھوڑا سا روپیہ بطور نفقہ کے بھیجا ہے۔ جس کی قلت کی وجہ سے میرا دل بہت ہی مشقت اور افسوس میں ہے تاہم سفر ایسے بوڑھے اونٹ کی مثل ہے جو کسی ہموار گڑھے دار زمین میں ہو اور جو ہر ایک چھوٹی سی چیز (پودا وغیرہ) سے کھیتا ہے۔ لیکن انسان کی پوشاک کا کچھ حصہ بھی اس کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور چاہ کم آب آپ کے پاس بغیر سیرابی کے آیا ہے (یعنی میری سخاوت جو قلت میں کم آب کو ئیں کی مانند ہے تجھے سیراب و مطمئن نہ کرے گی) اور وہ اونٹنی جو کم شیر ہے۔ آپ کو شام کے وقت جو آپ دودھ کے گھونٹ پیا کرتے ہیں۔ اس کا بعض حصہ عطا کرتی ہے (اس کا مطلب بھی پیچھے جیسا ہے) اے باز (جو پرندوں کا گوشت کھانے کا حریص ہے۔) تو اپنے قطا پرندہ (چھوٹا سا ہوتا ہے مثل چڑی کے۔ جس کو سنگ گوار کہتے ہیں۔ صداقت میں ضرب المثل ہے) کو لے کر شکر گزار ہو (یعنی آپ بمنزلہ باز کے ہیں۔ میں بطور قطا کے ہوں۔ یہ ناچیز تحفہ مجھ سے قبول فرمادیں) اور جذع سے وہ لے لے۔ جو وہ آپ کو دیتا ہے۔ یہ ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ جو یوں ہے کہ قوم عنسان ہر سال قوم سلیح جو یمن میں تھی کے بادشاہ کو دو دینار فی شخص کے لحاظ سے جزیہ ادا کرتی تھی۔ سبط بن منفذر سلیحی جو اس کام کا دالی و عامل تھا۔ اس جذع بن عمرو غسانی کے پاس آیا اور دو دینار طلب کئے تو اس نے اپنی تلوار رہن رکھنے کے لئے دی۔ سبط نے اس کو ماں کی گالی دی۔ اس پر جذع نے اس تلوار سے اس کو ضرب پہنچا کر یہ الفاظ کہے تھے۔ یہ مثال بخیل کی عطا کو غنیمت سمجھنے کے لئے بولتے

ہیں) میں آپ سے اس عذر کے قبول کرنے اور ازراہ عنایت اس فرستادہ چیز کے منظور فرمانے کی درخواست کرتا ہوں ۔

(۱۰)

یہ خط ابوطاہر مشرف بن علی سبیکہ بغداد سے لکھا تھا۔ جس کے اندر اس کو سیترافی کی شرح اور جو اس نے اس پر محنت کی ہے ۔ کا حال بتلاتا ہے ۔

نوٹ ۔ ابوسعید حسن سیرانی بن عبد اللہ اعلےٰ درجے کا نحوی تھا۔ متولی قضا تھا۔ اس نے امام لغت سیبویہ کی کتاب النحو کی بڑی عمدہ لیاقت سے شرح لکھی ۔ اور بھی کئی تصنیفات کیں ہر ایک فن میں یکتا تھا۔ گو معتزلی تھا۔ لیکن اس بات کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ قرآن لکھ کر روزی کماتا تھا۔ سیراف جو فارس میں ایک بڑا مستحکم شہر ہے ۔ کا ساکن تھا۔ بغداد میں ۳۶۸ھ میں وفات پائی ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ حمد و ثنا اللہ تعالےٰ ہی کو ثابت ہے جب تک عمداً اور غیر عمداً کاموں کا شمار کیا جاتا ہے (یعنی تا ابد) اور اس کی رحمت و برکت محمد علیہ السلام پر مہرجنو جبتک قومیں جمع ہوں ۔ اور نیزے میں ایک گرہ دوسری گرہ کے اوپر ہو (مراد دائمی طور پر) میرا اشتیاق آنجناب کی طرف ایسا ہے ۔ جیسا کہ قحط زدوں اور خشک زمینوں کا بڑے برسنے والے بادل کی جانب آپکے قرب سے مجھے اسقدر نفع ہے جیسے کہ سرسبز و شاداب زمین کا تر و تازہ اور بکثرت پانی سے ۔ آپکی خوشخبریوں کی بابت مجھے ایسی انتظار اور جھانک کر دیکھنا ہوتا ہے ۔ جیسے چوپاؤں کے چرواہے کا جو سال بہ سال قحط زدہ ہوتا ہے ۔ یمن کی طرف کی بجلی کو غور سے دیکھنا ۔ جس کا وہ بہت فکر سے منتظر ہوتا ہے ۔ آپکی عدم موجودگی پر مجھے اتنا افسوس ہوتا ہے جتنا اس جنگلی گائے کو جو شام کے وقت گھاس پانی کی طلب میں گئی ہے ۔ اور اس کو دھوکہ دیکر ایک بھیڑیا اس کے ایک بچے کو آکر پکڑ لیتا ہے ۔ جو گھاس چر رہا تھا ۔ اور

ریتہ گم کئے ہوئے تہا۔ اب وہ بیچاری (اس کی تلاش میں) ریت کے ٹیلے کے ارد گرد گھومتی ہے۔ جس کو تو اے مخاطب صبرِ جمیل والا نہیں دیکھے گا۔ (قرآن شریف کا اقتباس ہے مطلب یہ کہ بہت ہی بے صبر ہے) آپ کے ساتہ وقت گزارنے کی میری یاد ایسی ہے۔ جیسے کہ دودھ پلایا بچہ اپنی والدہ کے پستان یاد کرتا ہے۔ یا جیسے کہ وہ آدمی جس نے دود کی قسم کھائی تھی۔ بنی خالدہ کا خیال کرتا ہے (یہ اشارہ ہے اس بیت کی طرف جو مبترد نحوی کی کتاب کامل میں موجود ہے ؎

لایبعد اللہ رب العباد والملح ماولدت خالدہ

یہاں شاعر یہ دعا مانگتا ہے۔ کہ خدا کرے کہ خالدہ کے بیٹے مرجائیں۔ ملح کے معنے یہاں دود ہیں) آپ کے آمد کی مجھے ایسی انتظار ہے۔ جیسے تاجر مکہ کو عجمی یعنی اجنبی حاجیوں کے وفد اور آمد کی۔ یا جیسے مالک مویشی کو انگوری بے ساق کی (یا نکلنے والی انگوری کی) آپ کی مدد کے لئے میری فریاد ایسی ہے۔ جیسے ڈوبتے آدمی کو نزدیکی کنارہ دریا کی۔ یا جیسے خوف زدہ کو ایسی تلوار کی جو کند نہیں ہے۔ آپ پر لوجھ ڈالنے اور تکلیف دینے کی مجھے ایسی ناپسندیدگی ہے۔ جیسے کہ فاختہ کو غدرد غریب سے (غدر کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں۔ شاید مراد یہ ہو کہ جس طرح کبوتری ایک جگہ کو قابو کرلیتی ہے اس کو نہیں چھوڑتی) یا جیسے ابوجہل کو مقام بدر سے (بدر کی لڑائی اور اس کے بواعث مشہور ہیں۔ شام سے ابوسفیان کی سرواری میں قافلہ واپس آتا تہا۔ اہل مکہ کے کفار کو پتہ لگا۔ کہ حضور پاک اسی پر حملہ کرنا اور اس کو لوٹنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ابوجہل بہت سا لشکر لے کر قافلہ کو بچانے کی نیت سے آیا۔ ادہر سے حضور نے بھی تیاری کی۔ بدر جو ایک کوئیں کا نام ہے۔ زبردست معرکۃ الآرا لڑائی ہوئی۔ ابوجہل اسی لڑائی میں مارا گیا تہا۔ یہ واقعہ رمضان ۲ ہجری بروز جمعہ کا ہے۔ قرآن شریف میں یہ قصہ آیا ہے۔ ابوجہل چونکہ مکہ سے نکلنے اور لڑائی کرنے کا خواہاں نہ تہا۔ اس لئے مصنف نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے +

آپ کی سخاوتوں اور بزرگیوں پر مجھے ایسا وثوق ہے جیسے کشتی سوار کو کشتی پر۔ یا جیسے حارث کو اپنے گھوڑے نعامہ پر (حارث بن عباد بنی بکر کا مشہور جنگجو اور شاہسوار تھا۔ حرب بسوس جو بنی بکر اور اور تغلب میں ہوئی تھی۔ اس نے اس میں حصہ لینے سے انکار کیا تھا۔ اعلیٰ شاعر تھا۔ حماسہ میں اس کا قصیدہ ہے۔ جہاں اس کے گھوڑے نعامہ بمعنی شتر مرغ کا ذکر آیا ہے) آپکی عنایتوں پر جو میرا شکریہ ہے۔ وُہ اُس گھوڑے کی طرح ہے۔ جو راہِ خدا میں وقف کیا جاوے (یا حبیس بمعنی محبوس یعنی محدود اور کمتر) لیکن کوئی ممنوع اور رُکا ہُوا نہیں ہے بلکہ ہر ایک سانس کے ساتھ ہی وُہ نیا ہو کر نکلتا ہے (یہاں تک تو کاتب کی محض خوشامدانہ لفاظی تھی۔ آگے مطلب بیان کرتا ہے)۔

آج کے دِن جو فلاں تاریخ ہے۔ آپ کا خط وصُول پایا جس سے میں ایسا مسرُور ہُوا۔ جیسے پیاسہ آدمی جبکہ وُہ آبِ پاکیزہ پر وارد ہو۔ یا جیسے جاگنے والا آدمی جبکہ اس کو کوئی افسانہ گو مِل جاوے۔ جس بات پر وُہ خط مشتمل تھا۔ یعنے آپ کی سلامتی کا ذکر۔ سو یہ ایسی خوشخبری ہے جس کی خاطر دِل ایسے خوش ہوتے ہیں۔ جیسے کہ "یٰبُشْرٰی هٰذَا غُلٰمٌ" کہنے والا جس پر کوئی ملامت نہیں کی جا سکتی۔ (یہ الفاظ قرآنیہ ہیں۔ سورہ یوسف میں۔ مصر کے قافلہ والوں میں سے ایک شخص نے جب پانی کے لئے ڈول کوئیں میں ڈالا تھا۔ اور حضرت یوسفؑ چاہ افتادہ اس کے اندر سے نکل آئے تھے۔ تو اُس نے بطور خوشخبری کے یہ الفاظ کہے تھے۔) اللہ تعالےٰ ہم پر ایسے مجمع میں اکٹھا کر کے احسان کرے۔ جس کے بعد کوئی خوف جُدائی نہ ہو۔ آپ نے جو نسخہ (کتاب) کے حاصل کرنے کی بابت ذکر کیا ہے۔ مَیں نے اس کو سمجھ لیا ہے۔ ایسا کرنے میں آپ نے جن کی اللہ تعالےٰ دائمی عزت رکھے۔ تو اپنی کریمی اور عنایت ظاہر کی ہے۔ مگر میں ہی ہُوں۔ کہ آپکو سخت تکلیف دینے والا اور اصرار کرنے والا ہُوں۔ آپ نے تو معمُول کے مطابق مہربانی دکھائی ہے۔ لیکن مَیں باعث تکلیف پہلے کی طرح ہُوا

ہوں (لفظی معنی یہ ہے۔ کہ ایسی طرح زور سے برسا ہوں۔ جیسے بہار کی اوّل بارش) در بارہ شرح کتاب کے سو عرض یہ ہے۔ کہ اگر تقدیر موافق ہوئی۔ تو آپ کو مل جائے گی۔ ورنہ کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ وہ تو ایک گئی گذری ہوئی چیز ہے۔ آنجناب کی طرف جو خطوط بھیجے تھے ان میں سے کسی ایک کے اندر لکھا تھا۔ کہ اگر عبارتیں مختلف ہوں اور باب متفق۔ تو کوئی حرج نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر کوئی کپڑا مختلف پارچوں اور ٹکڑوں سے مل کر بنا ہوا ہو۔ تو وہ ریشمی کپڑے سے بے پرواکر دیگا (یعنی اس کا کام دے سکتا ہے) ہاں البتہ علی بن عیسےٰ کا خط اور عبارت اس سے مستثنےٰ ہے۔ کیونکہ وہ ایسا آدمی تھا۔ جس کے سینے والے خیالات پر بھروسہ کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اس نے قواعدِ کتابت کو آسانی سے لیا۔ (یعنی چنداں تکلیف سے کام نہیں لیا) میں بوجہ آپ کی برکت کے اس بات کی اُمید کرتا ہوں۔ کہ لوگ اس بات پر اتفاق کریں۔ جیسے کہ حق سبحانہ وتعالےٰ نے فرمایا ہے۔ کہ " انہوں نے اس کو آٹھ معدُودہ کھوٹے درموں پر فروخت کر ڈالا۔ اور اس بات میں بے رغبت تھے " (حضرت یُوسف کے بھائیوں کے قصّے کی طرف اشارہ ہے)۔ لیکن اگر میری حالت پُوچھنی ہو۔ تو مَیں یہ نہ کہُونگا۔ (جیسے کہ عزیز مصر نے یوسفؑ کو خرید کرنے کے بعد زلیخا سے کہا تھا) کہ شاید یہ آدمی ہمیں نفع دے۔ یا ہم اس کو بیٹا بنالیں گے۔

آپ نے جو لوگوں کی بگڑی حالت کا ذکر کیا ہے۔ تو حلفاً اس بات کا ایسا یقین کرتے ہوئے جیسے کہ چمڑا بوسیدہ ہو جاتا ہے۔ کہتا ہوں کہ یہ تو مُدّت کی بیماری چلی آتی ہے۔ سچ ہے کہ ایک مادہ پلنگ دُوسری کی بیٹی ہوتی ہے (یعنی بُرا آدمی بُرے آدمی سے پیدا ہوتا ہے) اور درخت قتادہ (سخت خار دار درخت جیسے کیکر) درخت سَمُرہ (یہ بھی خار دار ہوتا ہے۔ جسے اونٹ کھاتے ہیں) کی ہمشیرہ (ایک ہی مطلب ہے) لیکن آپ جن کو اللہ تعالےٰ ہمیشہ تائید بخشے۔ ملامت سے ایسے محفوظ

ہیں۔ جیسے تنگ باریک لبنی ہُوئی زرہ۔ پس آپ حاجت کے نہ ملنے (مایُوسی) سے خوشامدی اور اصرار کرنے والے نہ نہیں۔ کیا یہ کتاب کوئی پوشیدہ چیز ہے۔ جسے سوائے پاک لوگوں کے اور کوئی نہ چھُوئے (یہ قرآن شریف کی عبارت ہے۔ اور اسی سے کنایہ ہے) یہ تو محض جھوٹی باتوں کا مجموعہ ہے۔ جو اُس نے لپیٹ سپیٹ کے بنایا ہے۔ اور زندگی کے دنوں کے لئے ایک بیماری کی دوائی ہے۔ ہاں دُنیا کی زندگی تو دھوکہ کی پونجی ہے (قرآن کی آیت ہے)۔ باقی رہے جناب شیخ ابو عمرو (جس کی طرف اگلا رقعہ لکھا ہے) سو آپ کا نام نامی تو اس آیت کے موافق ہے جس کے اندر نہایت ہی عُمدہ شگون ہے۔ وُہ حق تعالےٰ کا یہ قول ہے: "ان کی مثال اس پاک درخت کی سی ہے جس کی جڑ تو زمین میں قائم ہے۔ اور شاخ آسمان میں (ایمان کو ایسے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے) میں اور میری جماعت والے آں حضور اور آپ کے تمام دوستوں کی طرف ایسے سلام کا ہدیہ بھیجتے ہیں جس کے اُٹھانے سے خطوط خوشبودار بنتے ہیں۔ اور جس کی بارشوں سے قحط زدہ مقام بھی باغوں کی طرح کھِل جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہی میرا ذمہ دار ہے ؎

(۱۱)

یہ خط ابو عمرو استر آباد (ایران کے صُوبہ طبرستان کا مشہور شہر ہے) والے کی طرف در بارہ شرح سیرانی کے ہے ؎

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خدا کرے کہ میری طرف سے ایسا سلام جو ہندوستان کے زعفران اور نجد کے باغ کی طرح بڑی بارش والے بادل سے متصل ہو کر میرے حضور فاضل ابو عمرو کو ہو جن کی عُمر کو اللہ تعالےٰ دراز کرے۔ جب تک حرف الف ساکن ہو (یعنی ہمیشہ) یا جبتک قسم جواب کی محتاج ہوتی ہے۔ اور اللہ پاک آپکو (بطور قران السعدین) ایسی نیک بختی سے ملا دے۔ جو بالکل ہی نزدیک ہو۔ جیسے کہ فرقدین ستارے ایک دُوسرے کے ایسے قریب ہیں۔ کہ ان کو ایک دُوسرے سے جُدائی کا کوئی

خوف نہیں۔ جبتک کہ دن صبح کی روشنی کے بعد آتا ہے۔ پس آپکی طرف میرا شوق ایسا ہے۔ کہ اگر وُہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جائے۔ تو اسکو تھکا دے۔ یا اگر کسی وادی میں ہوکر چلے۔ تو اس کو رُعب میں ڈال دے۔ حق تعالےٰ ہمیں ایسے دارالمقام میں جمع کردے۔ جو انتقام و بُغض سے سالم ہو۔ آپکا خط پہنچا۔ جس نے مجھے ایسا خوش کیا۔ جیسے کہ مقید پرندہ رہائی پا جائیے۔ یا قیدی بیڑی لگائے ہوئے ایسی نجات سے جو راحت بخشنے والی ہے۔ آپ کی سلامتی کی خبر سے مَیں ایسا مسرور ہُوا جسطرح کہ ہر دو داری۔ ایک تو اپنی عبادت کی وجہ اور دُوسرا اپنے مُشک کے باعث (پہلا داری تو تمیم بن اوس قبیلہ دار سے ہے۔ بڑے نیک بخت اور عابد صحابیؓ تھے۔ اور دُوسرا لغوی معنی میں مستعمل ہے۔ یعنی عطّار بوئے فروش) اللہ تعالےٰ ان دونوں کو آپ کے لئے دائم رکھے۔ جبتک کہ سہیل ستارہ قمر بن جائے (جس کے بننے کے لئے مدّت بعیدہ چاہئیے۔ پس مُراد یہ ہے۔ کہ تا ابد) یا جبتک **غضاۃ** (خار دار درخت ہے مثل ہمارے جنڈ کے) کا شیرہ یعنی رس ثمر کیصورت میں تبدیل ہو جائے۔ مَیں تو پہلے تولیف اور شکریہ ادا کرچکا ہُوں۔ مَیں نے اپنے دوستوں کو تنگ کرنے اور اُن پر ہر طرح سے حملہ کرنے کی سب سے پہلے پیش قدمی کی ہے۔ مگر مَیں نے یہ معلُوم کیا ہے۔ کہ (اشغال اور پریشانیوں نے ان کے ارادوں کو روک دیا ہے۔ اور یہ (اشغال وغیرہ) بغداد کے طالب علموں کے لئے ایسے ہیں۔ جیسے درخت غُرَی (نام ہے ایک درخت کا جس کے پتّے موسم سرما میں نہیں گرتے) جس کے پتّے نہیں گرتے۔ یا جیسے کھڑا ہونے والا پانی جس سے گلا گھونٹ جانے کا خوف ہے۔ بالخصوص وُہ آدمی جس نے علم و ادب کے شگوفوں کو ہر ایک پہاڑ اور ریتلے میدانوں سے جمع کیا ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کو اس بات کی طرف متوجہ کروں زیادہ آسان امر یہ ہے کہ مَیں اس شرح کتاب کو ہی گڑھے (یا جاری پانی) میں پھینک دُوں یہانتک کہ شُریح کا رُخسارہ ترگھاس سے ڈھپ جائے (یہ لفظی ترجمہ

ہے مطلب یہ ہے۔ کہ اس کی ڈاڑھی نکل آئے۔ شریح کوفہ کا مشہور قاضی تھا۔ ابتدائے اسلام کا ہے۔ بے ریش تھا۔ رخسارہ پر ایک بال بھی نہ رکھتا تھا۔ یہ شخص حضرت امام اعظمؒ کا ہمعصر تھا) کیونکہ جیسا کہ روایت میں ہے۔ وہ کم مو تھا۔ بلکہ اس کے چہرہ پر ہرگز ایک بال بھی نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ جس کے لئے تمام بخششیں ثابت ہیں۔ میرے لئے یہ بات منظور کرے۔ کہ حرف **شین** حرف با میں نہ بدل جائے۔ تاکہ میرے دوستوں کے لئے یہ شرح شقاوت کی وجہ سے برح نہ بن جائے جس کے معنے مصیبت ہیں۔ کیا یہ لفظ شرح **اللہ تعالیٰ کے اس قول سے** تو نہیں نکلا۔ کہ "کیا ہم نے آپ کا سینہ گشادہ نہیں کیا" (آخیر پارہ کی ایک سورۃ کے ابتدائی الفاظ ہیں) یا حق سبحانہ کے اس فرمان سے کہ "جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرنا چاہتا ہے۔ اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول ڈالتا ہے۔" یہ توفی الواقع مختلف قسم کی **کلاموں کا مجموعہ ہے۔** جس میں قیاس اور سماع کا تعلق ہے۔ یہ بھلا اس آدمی کو جو اس کی روایت کرسکتا ہو۔ کوئی ہمیشہ کی زندگی نہیں بخش دیگی۔ لوگ تو اس کے سوا بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔ مجھے اپنی قیمتی زندگی کی قسم ہے۔ کہ میں اس بات سے خوف زدہ رہا ہوں۔ کہ میرے دوست اس کی خاطر مجھے اُن آدمیوں میں سے مقرر کرلیں گے جنہوں نے اپنا سینہ کفر کے لئے کھولا ہے۔ نہ یہ کہ مجھے اُن سے کوئی بیوفائی کا خوف ہے۔ نہ میں نے کوئی سیف بُرّان کو صیقل کیا۔ اور نہ بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھا۔ سخی بہادر آدمی تو بڑی لمبی دوڑ والے اعلےٰ گھوڑے کی مانند ہُوا کرتا ہے۔ جو ایک انعام کے بعد دُوسرے انعام کے لینے کا دِلدادہ ہوتا ہے۔ سو وہ (گھوڑا مشابہ بہ کریم) محمود الآثار یعنی کامیاب ہو کر باہر آتا ہے۔ اور ہر ایک لغزش سے پاک۔ اس کی خوش قسمتی پر اس کے ماتھے کی چمکدار روشنی۔ اور اس کی گردن پر بالوں کا حلقہ سا جو ظاہر ہوتا ہے۔ وہ دونو دلالت کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہونگا۔ کہ جو شخص غیر حاضر ہو۔ اس کے تیر کو ناکارہ پروں سے جوڑ دیا جائے۔ نہ ہی میں ابوسعید اشارح

کتاب سیبویہ جس کا ذکر آچکا ہے) کی کتاب کیلئے (قرآن کی یہ آیت) پڑھونگا:۔ "یہ لوگ دور کی جگہ سے پکارے جائینگے"۔ بلکہ مَیں تو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ اور شفقت کے باعث اس بات کا خواہاں نہیں ہوں۔ مَیں تو محض یہ عرض کرتا ہوں۔ کہ چونکہ آپ کی بے نظیر قابلیت ہے۔ آپ اپنی رائے کی امداد دیں (یا امداد کرکے مجھ پر مہربانی کریں) آپ تو میرے نزدیک زیادہ جلیل القدر ہیں۔ اور وہ کتاب اس قدر آسان اور غیر ضروری ہے۔ کہ مَیں آپ کو چند قدم (رنجہ فرمانے) کی تکلیف نہیں دیتا۔ خواہ وہ قدم ایسے خفیف ہوں جیسے پرندہ سنگخوار کی چال۔ مَیں تو صرف آپ جیسے حضرت ادیب و فاضل سے یہ درخواست کرتا ہوں۔ کہ آپ مجھ پر ایسے خط کی مہربانی کریں۔ جو چند سطور پر مشتمل ہو جس کے اندر لوبان جیسی خوشبو ہو (قُطر ایک لکڑی ہوتی ہے جس کے جلانیسے خوشبو نکلتی ہے) اور جس کے اندر ایسی خوشخبری کا ذکر ہو۔ جو عنبر سے زیادہ تیز خوشبو والی ہو۔ اس خط میں آپکی طرف سے امر و نہی (یعنی نصیحتیں) بھی ہوں۔ جن کی پیروی کرنیسے مَیں کوئی بیوقوف نہیں بن جاؤں گا۔ اب مَیں آپ کو اللہ تعالٰے کے سپرد کرتا ہوں۔ جیسے کہ کوئی بخیل اپنی امانت کو کسی معتبر اور امین کے پاس رکھا کرتا ہے +

(۱۲)

یہ خط ابو طاہر بن سبیک کی طرف لکھا۔ جو کہ عراق یعنی بغداد سے واپس آرہا تھا۔ اور جس کی انگلی کو کسی نیزے نے زخمی کیا تھا۔ اور اس کو سخت تکلیف ہوئی تھی +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ فی الواقع اللہ تعالٰے نے آپکی سلامتی کیوجہ سے ایسا ہم پر احسان کیا ہے۔ جیسے کہ اُس نے پرندہ پر بذریعہ اس کے بازوؤں کے کیا ہے۔ یا بیمار پر بوجہ اس کی تندرستی اور شفا کے۔ یہ نعمت و احسان کوئی ایک چیز نہیں ہے۔ بلکہ اس کے پے در پے کئی اور نعمتیں آئیں ہیں۔ اس سے پہلے مجھے ایسی خوشخبری معلوم نہیں ہے۔ کہ جس کا اس سے

مقابلہ ہو سکے - مَیں اس خوشخبری کا ذکر نہیں کرتا - جو کبھی بادشاہ کو ہلاکت سے سلامتی کیوجہ سے ہوتی ہے - نہ ہی اُس غریب و نادار کی خوشخبری کا جبکہ وُہ کسی مالدار کی دولت حاصل کر لیتا ہے - لیکن یہ اُن لوگوں کی سی خوشخبری ہے - جنہوں نے آبِ حیات (یعنی پاک زندگی) پیا ہے - اور (خدا تعالےٰ کی جانب سے) رحمت و خوشنودی کی بشارت دیئے گئے ہیں - اور وُہ لوگ اس خشک مٹی (یعنی قبر و دُنیا) سے ایسی ناز و نعمت کیطرف اُٹھائے گئے ہیں جو جنت میں مقیم اور پائدار ہے - اُس آدمی کے برخلاف جس نے آپ کی طرف زخم پہنچانے کے لئے ہاتھ دراز کیا - ہمارے دِل تو اپنے خالقِ حقیقی کی طرف خوف زدہ ہو کر التجا کرتے ہیں - اور ہمارے ہاتھ عاجزی سے اس کی طرف اُٹھے ہُوئے ہیں - کہ خُدا کرے کہ وُہ کبھی کِسی کُوچ کرنے والے (قافلہ) کے پیچھے نہ لگے - نہ ہی اس کو زندگی بھر کوئی راحت آمیز آرامگاہ ملے - اور اس کا داہنا ہاتھ اس کے بائیں کی امداد نہ کرے - خدائے کریم اسکو شقاوت اور مُصیبت دے - نہ کہ آرام اور زندگئے دراز - اسکے پیالے کو دُودھ سے پُر نہ کرے - (یعنی زندگی کو راحت عطا نہ کرے) اگر وُہ کسی دوست کے قریب بھی ہو - تو وُہ اس سے بہت دُور ہو جائے اور اگر کِسی سواری پر جا چڑھے - تو وُہ اسے گرا کر گردن توڑ دے - اللہ تعالےٰ اس کو مسخ کر دے - جیسے سنگلاخ زمین کا سوسمار - جبکہ وُہ خنجر کی دھار سے بے امن رہے - اور اپنی زندگی (کی جڑ) کو کھودتا رہے تا کہ اس ذریعہ سے اپنے ہاتھ پاؤں خُون آلُودہ کرے - جہاں تک احتمال اور امکان ہو - وُہ ایسے باز کی طرح چھوڑ دیا جائے جس کے پر و بال شکستہ ہوں - نہ اُسے اُٹھنے اور نہ شکار کی قُدرت ہو - زندگی بھر وُہ پانی سے اپنی پیاس نہ بُجھا سکے - جنگلی عربی لڑکے اس کے گرویدہ ہوں (یعنے اس کو چھیڑ چھاڑ کریں -) جیسے مچھلی پانی کی محتاج ہوتی ہے - اس سے بھی وُہ زیادہ محتاج ہو - ایسے دشتِ بے آب میں جس کی بابت ظن و شک ہی ہو (یعنے نامعلوم سا) وہ آباد ہو - تا کہ وہاں اس کو پیاسہ اور

خوف زدہ چھوڑ دیا جائے۔ جتنے کہ وہ گھاٹ پر جانے کی طاقت نہ رکھے
مال و دولت تو بطور عاریت کے ہے۔ جس کے تباہ ہونے میں کوئی عار
نہیں۔ اُمیدیں بھی بادلوں کی سی ہیں۔ جن میں سے بعض تو بے بارش
کے ہوتے ہیں اور بعض برستے ہیں۔ انسان ہمیشہ بد اعمالی پر ہی
ملامت کیا جاتا ہے۔ نہ کہ اُمید کے نہ پورا ہونے پر۔ ہم قادر حقیقی سے التجا
کرتے ہیں۔ کہ آپ کا تلف شدہ مال واپس بحال کرے۔ اور یہ کہ ہمکو
آپ پر قربان کرے۔

اب پھر اپنے مطلب کی طرف لوٹتا ہوں۔ جیسے کہتے ہیں آمدم بر سر
مطلب) اور ابتدا کرتا ہوں۔ کہ اس عطیۂ خداوندی (مکتوب الیہ کی
سلامتی) پر جو خوشی ہوئی۔ وہ تین قسموں کی تھی۔ ایک تو آپ کے والد
کے لئے۔ کیونکہ ان کی محبت آپ سے (آپکو دیکھنے کی) ایسی تھی جیسے شاخ
کو اپنے پھل سے۔ یا کنارۂ آسمان کو چاند سے۔ دوسری خود آپ کے لئے
ہی۔ کیونکہ آپ کا حلب میں آنا ایسا تھا جیسے کہ ضحاک کا برام میں۔
(یہ تلمیح کوئی واضح نہیں۔ نہ معلوم کہ ضحاک بادشاہ نامور کی طرف اشارہ
ہے جو تمام زمین کا مالک تھا۔ یا کسی اور شخص کی طرف۔ ویسے ضحاک کے
نام کے دو شخص صحابیؓ ہیں۔ اور تین تابعی ہیں۔ برام ایک پہاڑ ہے۔
بلاد بنی سلیم میں۔ مدینہ سے بیس فرسنگ) یا جیسے اعمالِ حج کے بجا
لانے والا کا بیت اللہ میں۔ تیسری جو کوئی کم نہیں ہے۔ میرے اور میرے
دوستوں کے لئے ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اپنے پسندیدہ مجمع میں اکٹھا کرے
جو اس کے احسان سے بلند ہونے والا نہ ہو۔ ہمارا شوق تو آپ کی طرف ایسا
ہے۔ جیسے مزدور کا مزدوری کی طرف۔ یا جیسے وہ آدمی (یا بچہ) جو شب
تاریک سے پریشان و مضطرب ہو فجر کی روشنی کیلئے رکھتا ہے۔ اب رہی وہ
حاجت جس کے اٹھانے کا آپ نے احسان کیلئے۔ سو میں چاہتا ہوں۔ کہ
وہ چونکہ میری نظر میں ضروری اور قیمتی ہے۔ اس لئے آپ کے گھوڑے کے تنگ
پر قربان ہو۔ یا آپ کی خوبی کے ٹوٹے ہوئے تسمہ پر۔ پس میں بھی

عدی ذی الہمّ جیسی بات کہتا ہوں۔ جبکہ اُس نے بُجیر بن عمرو کو قتل کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ اچھا تو ہی بغیر کسی غلطی دستک کے کُلیب کی جُوتی کے تسمہ کا بدلا بن جا (یہ اشارہ ہے اُس قصّہ کیطرف جسکا حال یُوں ہے۔ کہ بنی بکر و تغلب میں جو حرب بسوس ہوئی۔ تو عدی ذوالہمّ جو مہلہل کے نام سے مشہور ہے۔ کا بڑا بہادر بھائی کُلیب مارا گیا اب لڑائی زیادہ مشتعل ہوئی۔ اسی مہلہل نے حارث بن عُباد بکری کو جسکا ذکر دسویں رقعہ میں آچکا ہے۔ لڑائی میں شریک ہونے کے لئے کہا۔ اُس نے انکار کیا۔ تو اس نے حارث کے بھتیجے بُجیر کو قتل کر دیا۔ اور کہا کہ اچھا اور نہ سہی تو ہی میرے بھائی کُلیب کے عوض میں جا) آپ کا اس سفر میں ہونا ہمیں مجبور کرتا ہے۔ کہ ہم بنی جعفر کی بابت جو بظاہر تو دوست ہیں۔ اور حقیقت میں دُشمن۔ دریافت کریں۔ جیسے کوئی قحط زدہ آدمی بارش کی بابت دریافت کرتا ہے۔ کہ کہاں گر رہی ہے۔ یا کوّے کا دانے کی بابت حال معلوم کرنا جس کو وہ چُن لے۔ اس خبر کے واضح ہونیسے پیشتر ہم تو نہ ختم ہونے والی رات میں تھے۔ گویا وہ امراء القیس کی رات ہے۔ جو بنی کندہ سے تھا (اس افسر الشعرا کا ذکر آچکا ہے۔ رات کا اشارہ اس کے دیوان کے ان اشعار کیطرف ہے۔ جہاں وہ ایک دراز رات کا ذکر کرتا ہے۔ جن کی ابتدا اس مصرع سے ہوتی ہے۔ وَلَیْلٍ کَمَوْجِ الْبَحْرِ اَرْخٰی سُدُوْلَہٗ) اور یہ اس لئے تھا۔ کہ ہم تو آپ پر ایک تنکے سے بال یا تارِ زلف (کے برابر چیز) کا خوف کھاتے ہیں۔ اس وقت بھلا ہمارا کیا حال ہوگا۔ جبکہ آپ کو پیکانِ نیزہ لگے خیر اللہ تعالےٰ کا شکر ہے۔ جس نے اس مصیبت کو مال و دولت پر ڈالا نہ کہ خاندان پر۔ یہ مصیبت اُس چیز پر گری۔ جس کو خرچ تلف کر دیتا ہے۔ نہ اُس پر جس کہ بڑی بھاری شفقت ظاہر کی جاتی ہے (یعنی آپ کی ذات یا کسی خاندان والے پر) میں آپ کو اور آپ کے والد صاحب کو اس سلامتی پر مبارکباد کہتا ہوں۔ اس بات پر تیرا تیر (یا حصہ) کامیاب

ہونے والا ہے۔ اور میرا حصہ اصل سے زیادہ ہے (یعنے میں نے اس سے خوب نفع اٹھایا ہے) میں پہلے آپ کو تکلیف دینے کا اقرار کرچکا ہوں۔ اب اس بات کا اعادہ کرنا نہیں چاہتا۔ میں آپ کو تکلیف دیتا ہوں وہ یہ کہ آپ ان لوگوں سے واقفیت حاصل کریں۔ جو پھٹے پرانے کپڑوں کی طرح کوئی صاف و شُستہ تو نہیں ہیں۔ لیکن ٹھیک پورے آجاتے ہیں (مراد فقرا اور خدا شناس لوگ) میں جانتا ہوں۔ کہ آپ کے سفروں میں سے کوئی ایک سفر عراق یعنی بغداد کے تمام سونے چاندی کے ہموزن ہے لیکن آپ کی مروت کا علم بھی تو مجھے ایسا ہے۔ جیسے کہ تاجر یمن کو یمنی دھاری دار چادر کا۔ سچ ہے کہ تجھے اے مخاطب خبر کرنے والے کی مثل اور کوئی آگاہ نہیں کریگا۔ (قرآن کریم کی آیت ہے۔ یعنی میں نے ہی تجھے یہ خبر دی) یہ ایسا طریقہ ہے۔ جس میں ظاہر داری اور بیرونی خوبصورتی کی گنجائش اور احتمال نہیں ہے۔ اب اس سخاوت و نفع کے مکمل کرنے کے لئے باقی صرف یہ رہتا ہے۔ کہ آپ بغیر کسی ناراضگی کے مجھے اس قیمت کی اطلاع دیں۔ جو ادا کیگئی ہے۔ تاکہ جلدی سے اُسے بھیجدوں۔ اگر میں حاضر ہوتا۔ توجو کام آپنے کیا ہے۔ میں ہرگز اس کو نہ کرسکتا۔ نہ میرے واسطے یہ آسان اور ممکن ہوتا۔ کہ جو حاجت اور ضرورت آپ نے پوری کی ہے۔ میں اس کو کر سکتا۔ میں آپ اور آپ کے والد صاحب کیطرف سے ایسے سلام کا تحفہ بھیجتا ہوں۔ جو آپ کو تھکا اور مکدر نہیں کر دیگا۔ حالانکہ وہ ختم ہونے والا نہیں ہے اسی طرح آپ کے بیٹے مقبل کی طرف۔ جو باوجودیکہ اس کا چمڑہ سیاہ ہے (سیاہ رنگ ہے) لیکن ہمارے نزدیک اس سفید گورے آدمی سے زیادہ برگزیدہ ہے۔ جس کی دوستی کی تصدیق نہیں ہوتی (یعنی سچی محبت والا نہیں) ۔

(۱۳۱)

یہ خط ابو طاہر مشرف بن علی سبکہ کی طرف بغداد سے واپس آتے ہوئے کسی موقعہ پر لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حضرت عبد المطلب کا شوق بنی نمر کی عورت کی طرف (عبد المطلب ہمارے حضور علیہ السلام کے دادا تھے۔ اپنے زمانے کے ذی عزت و اقتدار تھے۔ ان کے تیرہ بیٹے اور کئی بیٹیاں تھیں۔ ان کی ایک بیوی جو بنی نمرہ سے تھی۔ حضرت عباس و ضرار کی والدہ تھی۔ اس کی طرف اشارہ ہے) یا شاعر کُثیّر کا بنی ضمرہ کی عورت کی جانب (کثیّر کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس کی معشوقہ بنام عزّہ قبیلہ ضمرہ سے تھی۔ اس طرف اشارہ کرتا ہے) غالب نہیں ہوتا جس وقت اس کا مقابلہ میرے شوق سے جو جناب کے ساتھ ہے۔ کیا جائے۔ خدا کرے کہ آپ محفوظ اور باقی رہیں۔ جبتک کہ نرم زمینوں میں ربیع کی موسم کیلئے کوئی مکان تیار کیا جائے۔ اور مضبوط پہاڑوں کے اندر درخت نبع (جس سے تیر و کمان بناتے ہیں) اُگتا رہے۔ کیونکہ نہ میرا شوق مضطرب ہو۔ جس کو قرابت نے پیدا کیا۔ محبت نے اُسے دُودھ پلایا۔ اور پے در پے انعامات نے اس کی پرورش کی۔ اللہ تعالےٰ آپ کی ملاقات سے میری پیاس کو دُور کر دے۔ اور ہماری جماعت کا دست و بازو آپ کی زندگی سے مضبوط بنا دے۔ کیونکہ آپ ان لوگوں کے لئے جو رات کو سفر کرتے ہیں۔ ستارے ہیں۔ اور جو مقیم ہیں۔ ان کے مددگار ہیں اور تیروں کو نشانہ پر لگانے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالےٰ سے ایسا اجتماع مانگتے ہیں۔ جس پر کسی جُدائی کا خوف نہ ہو۔ اور جس کی رسّی (تعلق) منقطع نہ ہو۔ میں آپ کی سلامتی کی وجہ سے جو خدا کرے کہ ہمیشہ ایسی رہے۔ اور جس کا میں ہر وقت خیال رکھتا ہوں۔ اس قدر خوش ہُوا۔ کہ عتاب و شکایت کو شکریہ سے ملاتا ہوں۔ چُونکہ بدّو لوگ اتنی لوٹ مار نہیں کر رہے۔ اور بغداد کے چور جور و ستم نہیں دکھا رہے ہیں۔ اور چُونکہ اللہ تعالےٰ نے ایسا نفع اپنی کمائی کا بخشا ہے۔ جس کی اُمید تک نہیں تھی۔ آپ صاحب کے لئے جس کی اللہ تعالےٰ عُمر دراز کرے۔ یہ واجب ہے۔ کہ اپنی سخاوتِ عامہ کو اس تکلیف دِہ حاجت اور کام

پر محدود کریں۔ جس نے آپ کو اس قدر تکلیف دی۔ جس قدر کہ آپ کی ذاتِ شریفہ عادی نہیں تھی۔ اب چونکہ وُہ حاجت میسّر آ گئی۔ اور عطیہ کئی گُنا زیادہ ہو گیا۔ اس لئے یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے حق تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ کہ تُونے تو عجیب کام کیا ہے۔ یا جیسے عرب لوگ کہا کرتے ہیں۔ یہ دونو اور ساتھ ہی خُرما (یہ ایک ضرب المثل ہے۔ جو ایک آدمی نے استعمال کی تھی۔ جبکہ اس کو ایک دُوسرے آدمی نے دو چیزوں کے لئے کہا تھا۔ لیکن اس نے اس کو تین چیزیں پیش کی تھیں) پس اللہ تعالےٰ کا شکر ہے۔ کہ (بلحاظ کھجوروں کی کثرت کے) اس نے ہمیں بحرین والوں کی طرح بنایا۔ اور آنحضرت کو اس پاکیزہ کھجور کے درخت جیسا بنایا۔ جس کا تر وخشک میوہ تو کھایا جاتا ہے اور اس کی چھال سے پہننے کے سامان بنائے جاتے ہیں۔ اگر آپ کی اطاعت کا خیال اور آپ کے غصّے کا خوف نہ ہوتا۔ تو واجب تھا۔ کہ ہم خُرما تو قبول کر لیتے۔ لیکن لباس کے معاملے میں نافرمانی کرتے۔ اس لحاظ سے ہم ایسے لوگوں کی مانند ہو جائینگے۔ جن کے حق میں حضرت عبداللہ بن زبیر (حضرت ابو بکرؓ کے نواسے تھے۔ یزید کی بیعت سے منکر ہوئے تھے۔ بڑے عالم اور صالح آدمی تھے۔ ایامِ فتنہ میں اُنہوں نے کعبہ میں پناہ لی تھی۔ لیکن خلیفہ عبدالملک کے عہد میں حجاج ظالم نے ان کو ۷۳ئہ میں سُولی پر چڑھا دیا۔ مفصل ذکر ان کا تاریخ فخری میں آئیگا) نے کہا تھا۔ کہ تم لوگوں نے میری کھجور تو کھائی۔ لیکن میرے حُکم کی نافرمانی کی (یہ اشارہ صاف نہیں ہُوا غالبًا ان لوگوں سے مُراد ہے۔ جنہوں نے شرُوع میں تو ان سے عہد دوستی کیا تھا۔ لیکن آخر کار ان سے برگشتہ ہو گئے تھے) اللہ تعالےٰ آپ کو ان آدمیوں سے بنائے (جن کے حق میں قرآن پاک کہتا ہے۔ کہ) جو خرچ کرتے وقت نہ اسراف کرتے ہیں۔ اور نہ بخل۔ بلکہ ان دو کے درمیان کا سیدھا راستہ لیتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ جو کچھ آپ کرتے ہیں۔ یہ کوئی اسراف نہیں ہے۔ خواہ آپ اتنا دیدیں۔ جتنا کہ سمندر سے کوئی ڈول بھر کے لیجائے۔ اور خواہ وُہ تھوڑا ہو یا درمیانی۔ اس کے قبول کرنے میں بھی معذوری ہوگی۔ اب رہی وُہ قیمت جو ہجرت کرنے والے (پناہ گیرندہ) کے لئے تو پونجی ہے۔ اور تاجر کا سرمایہ۔ سو اس کا لے لینا ایک نامناسب بات ہے۔ اور نہ ہی زبان اس کو واپس کر سکتی ہے۔ اب ہر ایک بیوقوف جانتا ہے۔ کہ تہامہ میں خار دار درخت بکثرت ہوتے ہیں۔ یہ کہ آپ کی مروت و سخاوت آپ کی حالت و حیثیت سے بڑھی ہوئی ہے اور یہ کہ اس نے آپ کو تکلیف دی ہے۔ کہ آپ سفر کریں۔ ظاہری تجمل اور بناوٹ تو اجنبی آدمی کے سامنے کی جاتی ہے۔ نہ اپنے قریبی رشتہ داروں اور نیئے تازے دوستوں کے آگے۔ نہ ہی اپنے پُرانے عزیزوں کے سامنے۔ ہماری طرف سے ایک خط آپ کو بھیجا گیا تھا۔ جس کے اندر ہم نے سنجیدگی کے ساتھ ایسی قسمیں کھائی تھیں۔ جن کے اندر کوئی کذب نہیں تھا۔ وُہ یہ کہ اس سفر میں ہم آپ کے مال کو تلف نہ کریں۔ خواہ غضب یعنی قحط اپنے اونٹوں کو پیچھے سے ہانکے (یعنی سخت قحط آجائے)۔

ہم نے اس خط کو جلدی سے بھیجا۔ تاکہ یہ آپ کو مقام حلب پر جا ملے۔ کیونکہ اس بات سے خوف تھا۔ کہ آپ کیا سلوک کریں گے یہ خط نہ تو مختصر تھا۔ اور نہ طویل۔ یہ خط ایک سیاح آدمی کے ہاتھ بھیجا گیا تھا۔ جس کا نام (خدا اس پر رحم کرے۔ یا اس کو ہلاک کرے) معیار تھا۔ جس نے بیان کیا۔ کہ اس نے یہ خط مُقبل (مکتوب الیہ کا بیٹا) کو دیا۔ جسے خدا سلامت رکھے۔ اب میں نہیں جانتا۔ کہ آیا وُہ خط آپ کو ملا۔ اور آپ نے اُس کے سُننے سے انکار کیا۔ یا حاملِ رقعہ نے اپنی امانت میں خیانت کی۔ خواہ کوئی سی صُورت ہو ہم پر اپنی قسموں کا کفّارہ واجب ہے۔ جن کو ہم نے توڑ دیا۔ میں آپ

اور آپ کے والد بزرگوار جس کی زندگی سے اللہ تعالےٰ ہمیشہ شرف کرے کیطرف ایسے سلام کا ہدیہ بھیجتا ہوں۔ جو اپنے اُترنے کی جگہ کو نور سے بھر دے۔ اور جو اپنے سانس کی مُشک دار خوشبو سے مہک اُٹھے +

(۱۴)

یہ خط بھی ابو طاہر کی طرف لکھا۔ جبکہ اس کو معلوم ہوا تھا۔ کہ وُہ مقام فسطاط (مصرِ عتیقہ بنا کردہ از عمرو بن عاصؓ) کی طرف بخیر معرۃ النعمن کے رستے کے گزُرنے کے چلنے کا عزم کئے ہوئے ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ آپ کی طرف جس کو اللہ تعالےٰ مُراعات اور نگہبانی کا پُورا حِصّہ دے۔ (یعنی آپ کو محفوظ رکھے) میرا شوق ایسا ہے۔ کہ ہر ایک گُذرنے والی گھڑی سے اس کی پرورش کی ہے۔ جیسے کہ دایہ چھوٹے بچے کی۔ یا جیسے ایندھن کی لکڑی (یا راکھ) کسی مشتعل چنگاری کی کرتی ہے۔ اب بھلا آپ گمان فرمائیے۔ کہ کیا حال ہو گا۔ جب وُہ شوق لوہار کے اُن انگاروں کی مانند ہو۔ جو خشک شاخوں میں ڈالے جاویں۔ وُہ تو ایسے شُعلے پیدا کریں گے جن کی صفت طوالتِ کلام سے بیان نہیں کی جاتی۔ اللہ تعالےٰ (کبھی نہ کبھی دِن) اس سوزش کے انگارے کو بُجھائیگا۔ اور فکروں کی سختیوں کو ایسے اجتماع اور قُرب سے دُور کریگا۔ جو بوجہ اپنی نزدیکی کے ایک دُوسرے کی زیارت کرنے سے بے پروا کر دیں گے۔ خُدا کرے کہ اللہ تعالےٰ کے اذن سے ہمارے اوقات پھر لوٹ آئیں۔ کہ ان میں اُلفت و محبت ہو۔ کیونکہ بہت سا زمانہ گزر گیا لیکن وُہ اوقات ابھی تک مکدّر ہیں۔ گردشِ روزگار تو جیسے آپ کو معلوم ہے۔ غدر و فریب کھیلنے والی ہے۔ تاہم جب تک آپ کی زندگی ہے۔ کوئی مُصیبت نہیں۔ اسلئے آپ کی ملاقات

سے قرب حاصل کرنے کی ہمیں اُمید ہے۔

آپ کے خط نے تو ہمیں آرام والی زندگی اور ایک دُوسرے کی نزدیکی کی اُمید دلائی تھی۔ لیکن گردشِ زمانہ نے سوائے ہماری قوتِ جسم کو توڑنے اور ہماری نشاطِ جوانی کو معرض زوال میں ڈالنے کے اور کچھ نہ چاہا۔ اللہ تعالےٰ آپ کو (مثل قرآن السعدین کے) برگزیدگی اور سعادت سے اس دقت کے بعد نزدیک کرے۔ جیسے کہ اُس نے پہلے کیا تھا۔

آپ نے رقعہ میں اشارہ کیا تھا۔ کہ آپ معرۃ النعمان کے رستہ سے نہیں آئیں گے۔ اس پر میرے اندر ایک اُبھرنے والا غم جاگ اُٹھا اور جو بڑی بھاری خوشی مجھے آپ کی خط وکتابت سے ہُوئی تھی۔ وُہ ضائع ہو گئی۔ روزوں کو ملا دینے سے (حدیث شریف میں) نہی وارد ہوئی ہے (یعنی متصل طور پر روزے رکھنے بغیر افطار رکھے ہوئے) حالانکہ وُہ تو ایک دِن کو دُوسرے دِن سے ملا دینا ہے۔ بھلا کس طرح وُہ لگاتار غیر حاضری برداشت کی جاسکے۔ جو دوست کو مایُوسی کے نزدیک جا کرتی ہے۔ یقیناً آپ کی رائے عالی یہ ہونی چاہئے۔ کہ آپ ہر حالت میں معرۃ سے گزریں۔ اور وہاں کے زندہ اور مُردہ آدمیوں سے ملاقات کریں۔

اللہ تعالےٰ جانتا ہے۔ کہ میری منزل آپ کی (سخاوتوں کی) بارشوں ہی سے تروتازہ ہے۔ اور یہ کہ آپ مجھ پر مہربانی فرماتے ہیں میرے پاس منجملہ آپ کے احسانات کے ایک تو تازہ مہربانیاں ہیں۔ جو چھپائی نہیں گئیں۔ دُوسری پُرانی ہیں۔ جن کے مِٹ جانے کا فکر نہیں ہے۔ اگر میں نے سخاوت کا دعوےٰ کیا بھی۔ تو میں یہ کہوں گا۔ کہ میں نے تو اسے آل سبیکہ (مکتوب الیہ کا خاندان) سے جنہیں اللہ تعالےٰ کثیر التعداد کرے سیکھا ہے۔ مگر یہ دعوےٰ دلیل کا محتاج ہے۔ اور دلیل مفقود۔

اب جبکہ کوئی معاملہ مشکوک اور احتمال والا ہو۔ تو وہاں خاموشی ہی بہتر ہوتی ہے۔ حاجت کے وقت آپ کی سخاوت سونے کے پہاڑ کے برابر ہوتی ہے۔ اور زبرجد (ایک قیمتی پتھر ہے) کے ستون کے ہموزن۔ لیکن آپ تو سفر کے بازو اور رستہ کی پیٹھ پر سوار ہیں (یعنی اثنائے سفر میں ہیں) اور حال یہ ہے۔ کہ گھونٹ گھونٹ کرکے پینا مشکیزہ آب کو خشک کر دیتا ہے۔ اور ایک ایک کوڑی تنکا اکٹھا کرنے سے سواری کے گلے کا ہار بن جاتا ہے۔ اب جس آدمی کو کوئی موتی پیش کیا جائے۔ اور وہ اس کو قبول بھی کرلے۔ تو وہ وہ جھوٹے موتیوں کے ہار کو جبکہ اس نے اس کو قرض لیا ہے۔ نہ دینے میں معذور نہیں ہے۔ میں آپ اور آپ کے والد صاحب کو (خدا تعالےٰ آپ صاحبان کی عزت ہمیشہ رکھے) ایسا سلام پیش کرتا ہوں کہ اگر کوئی اُسے دیکھے۔ تو چمکدار نظر آئے۔ اور اگر اس کی خوشبو سونگھی جائے۔ تو وہ مہک اُٹھے۔ تکبیر (نماز کے شروع میں جو اللہ اکبر کہتے ہیں) کی طرح وہ شروع میں آنے کے قابل ہے۔ گو وہ آیا اخیر میں ہے۔ اللہ تعالےٰ ہی میرے لئے کافی ہے ؎

(۱۵)

یہ خط معرۃ النعمان سے ابو بکر محمد بن احمد صابونی (صابون مصر میں ایک گاؤں ہے) بغدادی کی طرف لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سانس کے شروع سے لیکر آخری سانس تک پروردگار آسمانان کے لئے حمد ثابت ہے۔ اور اللہ کی رحمت و برکت اس ستارے پر ہو۔ جس نے فترۃ (زمانۂ انقطاع وحی مابین دو رسول) کے بعد طلوع کیا۔ (مُراد جناب رسالتمآب حضرت محمد علیہ السلام) اور آپ کی اولاد پر جو ہر ایک خاندان پر غالب ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو ایسا سلامت رکھے۔ جیسے کہ تین حرفوں والا لفظ اس حذف سے جو ترخیم میں واقع ہوتا ہے سلامت رہتا

ہے (ترخیم یہ ہے کہ کوئی حرف آخر کلمہ میں حذف کر دیا ہے۔ جیسے یا صاحب کی بجائے یا صاح) اللہ پاک آپ کی زندگی دراز کرے یہانتک کہ عنبر سارے کا سارا ایسا بن جاوے۔ کہ آگ اس کو ہضم کر جائے۔ (یعنی تا ابد) آپ کی اور اُن لوگوں کی طرف جن سے میں نے بغداد میں تعارف حاصل کیا تھا۔ میرا شوق ایسے بادِ نسیم کی طرح ہے۔ جو نہیں منجمد ہوتی۔ یا ایران کی آگ کی مانند (آتش پرستوں کی طرف اشارہ ہے) جو بالکل نہیں بجھتی۔ آپ کی اور اُن کی ملاقات کی مجھے اتنی حاجت ہے۔ جیسے کہ غریب نادار کو صلہ اور عطیہ کی۔ یا جیسے نظم کے کسی بیت کو قافیۂ متصل کی (شعر کی تعریف میں قافیہ ضروری ہے) اللہ تعالےٰ ہم سب کو آسانی (یا دانائی) سے سلامتی کے جمع میں اکٹھا کرے۔ نہ کہ پراگندگی کے جمع میں (اشارہ ہے جمع کی دو قسموں کی طرف یعنی جمع سالم و جمع مُکسّر) جب سے میں اُن سے جُدا ہُوا ہوں۔ میری زندگی اسم علم کے بنا دالے کے آخری حرف جیسی ہے۔ یا اسم **تصغیر** کے پہلے حرف کی طرح جو اسم مبہم (یعنی اسم ضمیر) نہیں ہے (یہ اصطلاحات متعلق صرف ونحو کے ہیں مطلب یہ کہ زندگی شکستہ حال ہے) باقی رہے۔ میرے حضور شیخ ابو احمد (جس کی طرف اگلا رقعہ لکھا ہے) سو میری جو ان کی طرف بڑی خوشی ہے۔ اس کو تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ اگر وُہ خوشی اور شوق بنی **عتاب** (عتابؓ بن اسید۔ صحابی تھا۔ یوم فتح مکہ کو مُسلمان ہُوا۔ جب آنحضور حُنین کی طرف گئے تھے۔ تو اس کو مکہ کا عامل بنایا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ہی مرا) کے کُشادہ مکان سے گزرے۔ جبکہ ان کا پانی خشک ہو۔ تو وُہ لوگ اسکو زاید اور بہتا ہُوا گمان کریں گے۔ میں آپ کو ایک معاملہ کی بابت اشارہ کر چکا ہُوں۔ جس کے اندر میں نے آپ کو اپنی **تکلیف** کا سہارا بنایا تھا۔ اور یہ میرا عماد یعنی سہارا کو فیوں (یعنی کُوفہ کے نحویوں) کا

عماد نہیں ہے۔ (جسے ہم ضمیر منفصل کہتے ہیں) جس چیز نے مجھے اس بات پر برانگیختہ کیا ہے۔ کہ میں دوسرے واقف کاروں کو چھوڑ کر آپ ہی کو اس کام کے لئے مخصوص کروں۔ وہ یہ ہے کہ آپ کا نام نامی جسے اللہ تعالےٰ ہمیشہ عزت سے رکھے۔ نبی پاک کے اسم مبارک کی طرح ہے۔ جو شفاعت کا حق رکھتے ہیں۔ اور آپ کی کنیت حضرت صدیق اکبرؓ جیسی ہے (کیونکہ مکتوب الیہ کا نام محمد ہے اور کنیت ابو بکرؓ) اور لفظ صابونی کا ہجا یہ ہے۔ صَابَ وَنِیَ۔ صاب کا لفظ تو صوب مطر یعنی بارش کے گرنے سے نکلا ہوا ہے۔ اور ابن حجر (شہاب الدین ابن حجر عسقلانی۔۔ اخیر زمانے کا بڑا نامور عالم اور محقق گزرا ہے۔ بے شمار کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں زیادہ حدیث اور فقہ میں ہیں ۱۴۴۹ء میں فوت ہوا۔) کے شعروں میں ونیٰ کا معنی موتی ہے (ابن اعرابی نے نقل کیا ہے۔ تمام الفاظ لسان العرب میں مل سکتے ہیں) بارش کی ہمیشہ تعریف ہوتی ہے حالانکہ وہ محض پھولوں کو اُگاتی ہے۔ بھلا کیسے ہوگا۔ جبکہ آپ اپنی بارش سے موتی برسائیں۔ آپکا مکان ایسے کوچے میں ہے جس کو بیری (یا کنول) کا کوچہ کہتے ہیں۔ وہ تو اصل میں اس دنیا میں عقل و دانائی کی بیری (یا کنول) ہے۔ جیسے کہ آسمان میں سدرۃ المنتہیٰ درخت ہے (ساتوں آسمان پر اس نام کا درخت ہے۔ جہانتک جبرائیل علیہ السلام اور دیگر آدمیوں کے اعمال کی انتہا ہے۔ اس درخت کے پتے بقدر تعداد مخلوق ہیں) یہ کوچہ تیل کے سوداگروں کے مرتبہ اور کوارٹر میں ہے۔ سبحان اللہ (بخ بخ کلمۂ تعجب ہے) یہ تو ایسا تیل ہے۔ کہ بغیر اس کے کہ اسکو آگ پہنچائی جائے روشنی دیتا ہے۔ یہ نور کے اوپر ایک اور نور ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنی اس روشنی کی طرف جس کو چاہتا ہے۔ راستہ دکھا دیتا ہے (یہ اخیر کی عبارت قرآن شریف کی ہے) ؛

(۱۶)

یہ شیخ ابو احمد عبدالسلام بن حسین البصری کی طرف لکھا

اللہ تعالےٰ میرے حضور شیخ صاحب کی زندگی دراز کرے۔ یہاں تک کہ عُرَیّا ایک جگہ سے دُوسری جگہ منتقل ہو جائے۔ (یہ تلمیح واضح نہیں ہُوئی۔ اگر عَروای سے ہے۔ تو اس کا معنی پشتۂ ریگ ہے۔ عُرّی سے ہو۔ تو ایک چشمہ کا نام ہے۔ بہر حال مطلب یہ کہ ایسی نقل مکانی ناممکن ہے۔ اگر ممکن بھی ہو تو سینکڑوں سال چاہئیں۔ اسی طرح مکتوب الیہ کی زندگی سینکڑوں سال تک رہے) یا جبتک عرب لوگ ثُرَیّا کے لفظ کو تکبیر (یعنی بغیر تصغیر کے) کے ساتھ بولیں (واضح ہو کہ ثُرَیّا اسم تصغیر ہے ثَروی سے بمعنی بکثرت) اور اللہ تعالےٰ آپ کو دائمی عزّت دے۔ یہانتک کہ اُراب (جنگل کے ایک چشمہ کا نام ہے) ایسا بن جائے۔ کہ یا تو وُہ خلائے آسمان میں باز ہو یا کوّا۔ مَیں جس قدر آپ کو لکھتا ہُوں۔ آپ کو خط نہیں پہنچتے۔ لیکن مَیں تو اس بات سے بَری ہُوں (آپ کی ذات و منزل کی طرف میری محبت اس طور پر ہے۔ جیسے کہ ان دو اشعار میں شاعر نے بیان کیا ہے۔ شاعر جریر ہے)

۱۔ سُبحان اللہ۔ جبل ریّان (علاقہ نجد میں جو اجا پہاڑ ہے۔ اس کی سب سے اُونچی پہاڑی ہے) کیا ہی عُمدہ پہاڑ ہے اور اس کے ساکن کیسے ہی پسندیدہ ہیں۔

۲۔ یمن کی طرف کی (جنوبی) لطیف ہوائیں بھی جو وقتاً فوقتاً جبل ریّان کی جانب سے تیرے پاس آتی ہیں۔ کیسی عُمدہ ہیں ریّان سے میری مُراد آپ کی منزل ہے۔ خواہ وُہ کہیں بھی ہو۔ اور وہاں کے ساکن سے آپ کی ذات۔ جہاں کہیں وُہ

وُہ نازل ہو۔ اور یہ بات (کلام عرب میں) جائز (یا رائج) ہے۔ جبکہ بطور تمثیل کے ہو۔ مثلاً میں کہتا ہُوں۔ کہ عمرو کے سوا کوئی بہادر جوان نہیں۔ خواہ وُہ آدمی جس سے میری مُراد ہو۔ عمرو نہ ہو (کہتے ہیں۔ کہ یہ لفظ لقمانؑ کی عورت نے اپنے پہلے خاوند بنام عمرو بن تغن کی بابت کہے تھے) آپ صاحب جس کو اللہ تعالےٰ ہمیشہ باعزت رکھے۔ کی جُدائی پر مُجھے اس قدر غم ہے۔ جیسے قُمری کو۔ جو سرگرمی سے سننے والے کے اندر بے انتہا خوشی بھڑکاتی ہے۔ اور جو سخت گرمی کی سوزش سے (بچنے کے لئے) گھنے پتّوں میں چھپی ہوئی ہے۔ گویا وُہ پردے کی آڑ میں کوئی گانے والی عورت ہے۔ یا کوئی بُزرگ آدمی ہے۔ جو عام لوگوں کی فضُول باتوں سے کنارہ کئے ہوئے ہے۔ اس کی گردن میں طوقِ بلا ورنج ہے۔ جس کو شوق توڑ دیتا ہے۔ اگر وُہ قادر ہوتی۔ تو اس کو ہاتھوں کے ذریعہ سے گردن سے کھینچ لیتی۔ اس قمری کا غم ایسے دوست کے اُوپر ہے۔ جس کو اس نے رنج و مُصیبت کے حوالے کیا ہے۔ یہ ایسا ساتھی ہے۔ جس کو نوحؑ نے بھیجا تھا۔ اور ہلاک ہونے دیا اس واسطے دُوسری کبُوتریاں اس پر روتی ہیں) یہ تلمیح محض ایک لفظی مناسبت کی وجہ سے ہے جو نوحؑ اور نوحہ کے مابین ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ چُونکہ نوحؑ بہُت نوحہ کیا کرتے تھے۔ اسلئے اس نام سے موسُوم ہوئے) وُہ قمری اپنے آنگن میں تجھے قسم قسم کے راگ سُناتی ہے۔ اور شاخوں کے اندر کئی پوشیدہ غموں کو ظاہر کرتی ہے۔ اگر وُہ غریض کے طریقے پر چلے (یعنی اس جیسا راگ گائے۔ غریض ایک بڑا مشہُور راگ دان تھا۔ اس کا اصلی نام ابُو یزید عبدالمالک تھا۔ کتاب الاغانی میں اس کا اکثر ذکر آتا ہے۔ بڑا حسین تھا۔ خُود شاعر تھا۔ مرثیہ کہنے میں بینظیر تھا)

تو مشتاق آدمی کے غم کے مارے اچھو دلا دے۔ اور اگر معبد
یہ بھی مشہور گویا ہے۔ مدینہ کا غلام تھا۔ عراق میں ابن اسحاق
سے علم غنا سیکھا۔ لیکن کوئی نادر گویا نہ تھا۔ رشید کے سوا
اور کسی کی خدمت نہیں کی۔ برامکہ کی طرف دل بستہ تھا) کے
سُر کی نقل کرے۔ تو وُہ ایک نئی اور نادر چیز پیدا کرتی ہے۔
وُہ غم و اندوہ کی طرف ماتم کرنے والی عورتوں کو پکارتی ہے
خدا کرے۔ کہ وُہ ہلاک ہوں۔ اور بے اولاد ہو جائیں۔ جو گذشتہ
اور اوائل کے آدمیوں پر مرثیے فصاحت سے پڑھتی ہیں۔ جن
کا باپ وَدّ کے نشان قدم پر رویا۔ (وَدّ حضرت نُوح علیہ السلام
کی قوم کا ایک خوبصورت بُت تھا) اس لئے اُنہوں نے اس کی آہ و
بُکا کو نسل بعد نسلٍ ورثہ میں پایا۔ تیری جان کی قسم۔ کہ وُہ
رونے میں اسراف کرتی ہیں۔ پھر بھی ان کی آنکھوں سے آنسُو نہیں
بہتے۔ مجھے معلُوم نہیں۔ اور یہ بات ایک حیرت انگیز ہے۔ کہ آیا
یہ راگ ہے یا ماتم۔ ان ترشاخوں میں ہر ایک خاکستری رنگ کا
پرندہ فصیح بلیغ آدمی جیسا بنا ہُوا ہے۔ جس کی چونچ پر سیاہ
رنگ کے روغن جیسا پردہ ہے۔ پاؤں خُون سے لتھڑے ہوئے
ہیں۔ اور آگ بھڑک رہی ہے۔ گردن کی جگہ کوئلے جیسی ہے۔
پوشاک خاکستری ہے۔ یا میرا غم اس فاختہ جیسا ہے ۔ جو
نجم الغرقا ستارے کو (یا دور دراز جنگل کے ستارے۔ کیونکہ خرقا
کا معنی بیابان بعیدہ بھی ہے) کو دیکھتی ہے۔ جبکہ وُہ خود اپنا
گھر یمن میں رکھتی ہے۔ یہانتک کہ تقدیر اس کو ایسی خشک
زمین میں لاتی ہے۔ جہاں نہ تھوڑی نہ بُہت بارش ہوتی ہے۔
اب جب وُہ سہیل (مشہُور یمنی ستارہ) کو دیکھتی ہے۔ تو وُہ اس
کو اپنے اہل و احباب یاد دلاتا ہے۔ جن سے اس نے مقام قرظ
(یمن میں ایک موضع ہے) میں وقت گذارا تھا۔ ان میں سے کوئی

بھی اس سے سخت اور تند خو نہیں ہوتا تھا۔ اب جو اس گلہ غم کے مارے گھٹنے لگا ہے۔ تو وہ چیختی چلاتی ہے۔ انہی آوازوں کے نکالنے کے ذریعہ سے وہ اُس اپنے غم کو ہلکا کرتی ہے۔ جو وہ مُردوں کے لئے محسُوس کرتی ہے۔ اب جب اس کو پُورا یقین ہو گیا۔ کہ پنجرہ کی قید و تنگی سے کوئی چھٹکارا نہیں۔ تو وُہ چاہتی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اس کو میاؤں میاؤں کرنے والی دِن کی بلّی کی صُورت میں بدل دے۔ یا خفیف آواز سے بولنے والی بھیڑیئے کی مادہ کی شکل میں۔ تاکہ اس رہائی کے ذریعہ سے وُہ اپنی چند ایک تکلیفوں سے بچ جائے۔ میرے رہنے کی جگہ تو معرّۃ النعمان) ہے۔ اور ہمارے ہاں فتنہ و فساد بڑا پھیلا ہُوا ہے یا تو نیزوں کی ضربیں ہیں۔ یا کمانوں کے نشان۔ اب جو موسم گرما آئیگا۔ تو تلواریں بھی کھینچ لی جائینگی۔ اگر مجھے قُدرت ہوتی۔ تو میں آگ نکالنے والی چیزوں کے واسطے سوائے مرخ (درخت ہے۔ جس کی لکڑی سے آگ نکالتے ہیں۔ پہلے آ چکا ہے) کے اور کوئی استعمال نہ کرتا۔ اور سوائے کرخ (بغداد میں ایک محلّہ ہے۔ جہاں کے مشہور ولی اللہ معرُوف کرخی ہیں) کے اور کسی جگہ آباد نہ ہوتا۔ لیکن کیا کرُوں۔ میرا لاغر اونٹ بندھا ہُوا ہے۔ (یعنی میری طاقت محدُود ہے) اللہ تعالےٰ لبید شاعر پر رحم فرمائے۔ جو کہتا ہے ؎

جب لُبد (لُقمان عادی کا ساتواں کرگس یعنی گدھ۔ جس کو قوم عاد نے حرم کی طرف پانی کی طلب کے لئے بھیجا تھا) نے باقی کرگسوں کو اُڑتا ہُوا دیکھا۔ تو اُس نے اپنے ستہ پروں (آگے کے بازوؤں) کو ایسے غریب اور نہتے آدمی کی طرح اُٹھا دیا۔ میَں آنحضور جن کے بقا سے اللہ تعالےٰ دُنیا کو مشرف کرے۔ آپ کے دوستوں اور نوکروں کی طرف ایسا سلام بھیجتا ہُوں۔ جو وحشتناک

بیابانوں کو مقام اُنس بنادے۔ اور شام سے لیکر مقام صراۃ (یعنی یمن تک۔ صراۃ وہاں ایک نہر ہے) تک پھیل جائے جبوقت وُہ درخت عضا (جسے ہم جھنڈ کہتے ہیں۔ اس کی آگ مشکل سے بجھتی ہے) کی آگ کے جلانے والوں سے گذرے۔ تو وُہ لوگ اسکے انگارہ کو قطر (جیسی خوشبودار لکڑی۔ یا لوبان) گمان کریں گے اس طریق سے وُہ ہوا کو معطر کردیگا ✤

جلد اوّل

ختم ہوئی

اطلاع

صاحبان! ترجمہ عربی بی اے کورس حصہ اوّل و دوم میں نے حسب ضابطہ رجسٹری کرالیا ہے
کوئی صاحب بغیر میری اجازت قصد طبع نہ فرما وے۔ اور کسی دیگر زبان میں بھی شایع
کرنے کی اجازت نہیں ہے